جلد:۹ شمارہ:۲
اپریل تا جون 2018ء

سہ ماہی
سماجی/دینی تحقیقی مجلّہ

مسلسل شمارہ
40

نورِ معرفت

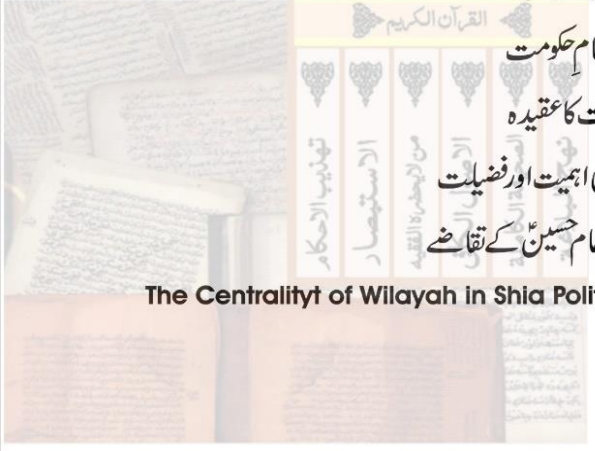

اداریہ
سود (قرآن وحدیث کی روشنی میں)
مہدویت بطورِ نظامِ حکومت
قرآن میں شفاعت کا عقیدہ
اسلام میں وقف کی اہمیت اور فضیلت
محرم الحرام اور یادِ امام حسینؑ کے تقاضے
The Centralityt of Wilayah in Shia Political Thought

نورالہدیٰ مرکز تحقیقات
(اسلام آباد)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کلام الامام، امام الکلام

دنیا میں لوگوں کی قسمیں

وَقَالَ (علیہ السلام): النَّاسُ فِی الدُّنْیَا عَامِلَانِ عَامِلٌ عَمِلَ فِی الدُّنْیَا لِلدُّنْیَا قَدْ شَغَلَتْهُ دُنْیَاهُ عَنْ آخِرَتِهِ یَخْشَی عَلَی مَنْ یَخْلُفُهُ الْفَقْرَ وَیَأْمَنُهُ عَلَی نَفْسِهِ فَیُفْنِی عُمُرَهُ فِی مَنْفَعَةِ غَیْرِهِ وَعَامِلٌ عَمِلَ فِی الدُّنْیَا لِمَا بَعْدَهَا فَجَاءَهُ الَّذِی لَهُ مِنَ الدُّنْیَا بِغَیْرِ عَمَلٍ فَأَحْرَزَ الْحَظَّیْنِ مَعاً وَمَلَكَ الدَّارَیْنِ جَمِیعاً فَأَصْبَحَ وَجِیهاً عِنْدَ اللَّهِ لَا یَسْأَلُ اللَّهَ حَاجَةً فَیَمْنَعُهُ۔

وَقَالَ (علیہ السلام): الدُّنْیَا دَارُ مَمَرٍّ لَا دَارُ مَقَرٍّ وَالنَّاسُ فِیهَا رَجُلَانِ رَجُلٌ بَاعَ فِیهَا نَفْسَهُ فَأَوْبَقَهَا وَرَجُلٌ ابْتَاعَ نَفْسَهُ فَأَعْتَقَهَا.

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: دنیا میں کام کرنے والے دو قسم کے ہیں: ایک وہ جو دنیا کے لئے سر گرم عمل رہتا ہے اور اُسے دنیا نے آخرت سے روک رکھا ہے۔ وہ اپنے پسماندگان کے لئے فقر و فاقہ کا خوف کرتا ہے مگر اپنی تنگدستی سے مطمئن ہے۔ تو وہ دوسروں کے فائدہ ہی میں پوری عمر بسر کر دیتا ہے اور ایک وہ ہے جو دنیا میں رہ کر اُس کے بعد کی منزل کے لئے عمل کرتا ہے تو اُسے تگ و دو کئے بغیر دنیا بھی حاصل ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ دونوں حصوں کو سمیٹ لیتا ہے اور دونوں گھروں کا مالک بن جاتا ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک باوقار ہوتا ہے اور اللہ سے کوئی حاجت نہیں مانگتا جو اللہ پوری نہ کرے۔ (نہج البلاغہ، الحکمۃ ۲۶۹)

ایک دوسری جگہ امام علیہ السلام نے فرمایا: دنیا اصل منزل قرار کے لئے ایک گذرگاہ ہے اس میں دو قسم کے لوگ ہیں: ایک وہ جنھوں نے اس میں اپنے نفس کو بیچ کر ہلاک کر دیا اور ایک وہ جنھوں نے اپنے نفس کو خرید کر آزاد کر دیا۔ (نہج البلاغہ الحکمۃ ۱۳۳)

Declaration No:7334

ISSN 2221-1659

جلد: ۹
شمارہ:۲
اپریل تا جون
2018ء
بمطابق
رجب المرجب تا
شوال
۱۴۳۹ھ

سہ ماہی
علمی و تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

مدیر اعلی
سید حسنین عباس گردیزی

مدیر
ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

مجلس ادارت

- سید رمیز الحسن موسوی
- ڈاکٹر سید راشد عباس
- ڈاکٹر علی رضا طاہر
- ڈاکٹر کرم حسین ودھو
- ڈاکٹر روشن علی
- ڈاکٹر سکینہ حسین

مجلس مشاورت

- علامہ علی مرتضیٰ زیدی
- ڈاکٹر سید نثار علی ہمدانی
- علامہ ثمر علی نقوی
- ڈاکٹر ساجد علی سبحانی
- علامہ عقیل حیدر زیدی
- ڈاکٹر محمد ریاض

رجسٹریشن

پاکستان، انڈیا: 500 روپے   مڈل ایسٹ: 70 ڈالرز   یورپ، امریکہ، کنیڈا: 150 ڈالرز

کمپوزنگ/ڈیزائننگ

بابر عباس

پرنٹر

پکٹوریل پریس، آبپارہ، اسلام آباد

نوٹ: ادارے کا مقالہ نگار کی تمام آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

"نَمت" ایک نظر میں

"نور الہدیٰ مرکز تحقیقات" (NMT) کا نصب العین (Vision) "مملکتِ خداداد پاکستان میں اسلامی تہذیب کی حاکمیّت ہے۔" لہٰذا "اسلامی تہذیب کی حاکمیّت کے قیام کے لئے اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج اور پاکستانی قوم میں دینی آگہی کا فروغ"، "نَمت" کا مشن (Mission) ہے۔ "نمت" کی فعالیت محض تعلیمی اور تحقیقی میدان میں محدود ہے اور یہ ادارہ اپنے اہداف کے حصول کے لئے اتحادِ امّت، بین المسالک ہماہنگی، تعمیری تنقید، درکِ متقابل اور تضاربِ آراء کا قائل ہے اور ہر اُس تحقیقی کاوش کو اپنے دامنِ نشر و اشاعت میں جگہ دینے کا عہد کیے ہے جو اِس کے مشن سے ہماہنگ ہو۔

"نمت" کے تحقیقی منہج میں اسلامی تعلیمات کے اخذ و استخراج کے لئے قرآن کریم اور سنّت نبوی، اساسی منابع ہیں۔ لیکن یہ سنّت نبوی کے اُس طریق پر اعتماد کرتا ہے جو ائمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کا طریق ہے۔ نیز ان منابع سے اسلامی تعلیمات کے اخذ و استخراج میں "نمت" اُس روش کا علمبردار ہے جو عقلی برہان، منطقی قیاس اور اجتہادی تتبّع اور تفحّص سے عبارت ہے۔

اب تک یہ ادارہ مختلف موضوعات پر 13 کتابیں اور سہ ماہی مجلّہ "نور معرفت" کے 39 شمارے پیش کر چکا ہے۔ تاہم اسے اپنے مشن کو جاری رکھنے کے لئے دانشوروں، علماء اور اہلِ قلم کے قلمی اور فکری تعاون کے ساتھ، علم دوست احباب کا مالی تعاون بھی درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے کرم فرماؤں کو ادارے کے لئے بہتر سے بہتر تحقیقات اور وسائل فراہم کرنے کے توفیق عطا فرمائے! (آمین!)

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مؤلف	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	۵
۲	مہدویت بطورِ نظامِ حکومت	نذر حافی	۷
۳	قرآن میں شفاعت کا عقیدہ	مسلم عباس	۱۷
۴	اسلام میں وقف کی اہمیت اور فضیلت	سید رمیز الحسن موسوی	۳۵
۵	سود (قرآن وحدیث کی روشنی میں)	سید مزمل حسین نقوی	۵۷
۶	محرم الحرام اور یادِ امام حسین ؑ کے تقاضے	سید رمیز الحسن موسوی	۷۷
۷	THE CENTRALITYT OF 'WILAYAH' IN SHIA POLITICAL THOUGHT	رزاق حسین میثم	۸۳

اداریہ

مجلّہ نور معرفت کے قارئین بجاطور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا چالیسواں شمارہ بھی خاصی تاخیر سے منظر عام پر آ رہا ہے۔ یقینا یہ بات درست ہے۔ اس تاخیر کے کئی اسباب ہیں جن میں سے ایک عمدہ سبب، تحقیق و تالیف کے میدان میں قحط الرجال ہے۔ لہٰذا ہم جہاں اس تاخیر پر معذرت خواہ ہیں وہاں ہمیشہ کی طرح ہماری اپنے قارئین کے اہل تحقیق طبقہ سے گزارش ہے کہ وہ اپنے قلم کے رشحات سے مجلّہ نور معرفت کے صفحات کو ضرور مزیّن فرماتے رہیں تاکہ ہماری یہ مشکل حل ہو سکے۔

بہر صورت، جہاں تک اس شمارے کے محتوا و مضامین کا تعلق ہے تو اس حوالے سے ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ انسانی معاشروں میں انارکی کسی کو بھی مطلوب نہیں ہے۔ Anarshim سے بچنے کے لئے جہاں انسانی معاشروں میں ہر جگہ حکومت سازی اور سیاسی اکھاڑ بچھاڑ کا عمل جاری رہا ہے، وہاں سیاسی علوم کے میدان میں بھی ماہرینِ فکر و نظر کی سیاسی آراء و نظریات کا تضارب تسلسل کے ساتھ جاری رہا ہے۔ دراصل، ان دونوں میدانوں میں انسانی تگ و دَو کا عقلمندانہ ہدف انسانی معاشروں کو ایسا اجتماعی نظام فراہم کرنا ہے جس کے سائے میں سماج کا ہر فرد آسودگی کی زندگی گزارتے ہوئے ترقی اور کمال کی راہیں طے کر سکے۔

یقینا انسانی ترقی و کمال کا دین ہونے کے ناطے اسلام نے بھی پوری انسانیت کے لئے حکمرانی کا ایک جامع سیاسی نظام پیش کیا ہے۔ اسلام کا یہ عالمی نظریہ حکومت "مہدویت" کے نام سے موسوم ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے اس نظریہ کو ایک خاص فرقہ کے نظریہ کے طور پر دیکھا گیا ہے حالانکہ تفصیلات سے قطع نظر، مہدویت کا نظریہ عالم اسلام کا متفقہ نظریہ ہے۔ ہمیں یہ سعادت حاصل ہے کہ مجلّہ نور معرفت کے اس شمارہ میں ایک مستقل مقالہ کے تحت اس نظریہ کے بعض خدّوخال اجاگر کیے گئے ہیں۔ جس سے اہل تحقیق طبقہ کو اس نظریہ کو عالمی برادری کے سامنے پیش کرنے کی ہمت ملے گی۔ نیز اس شمارہ میں عالم اسلام میں حکمرانی کے نظام سے مربوط ایک اور اہم موضوع پر "THE CENTRALITYT OF 'WILAYAH' IN SHIA POLITICAL THOUGHT" کے عنوان سے ایک انگریزی مقالہ بھی اس شمارے میں شامل کیا گیا ہے۔

اس شمارہ کے موضوعات میں ایک اور موضوع "شفاعت" کا موضوع ہے۔ بد قسمتی سے یہ موضوع بھی ہنوز عالم اسلام میں ایک لاینحل مسئلہ کے طور پر باقی ہے۔ ہمارے خیال میں اگر اس مسئلہ کے بارے میں اسے کسی خاص فرقے کی رائے بنا کر اس کا دفاع یا ردّ نہ کیا جاتا تو نہ فقط یہ مسئلہ حل ہو جاتا بلکہ اس سے اسلامی معاشرہ میں تعمیری ڈائیلاگ کی فضا بھی قائم ہوتی اور بغیر کسی فتح و شکست کا احساس کیے کوئی ایک رائے قائم کی جا سکتی تھی۔ بہر صورت، اپنے تئیں اس شمارہ میں ایک مستقل مقالہ کے تحت اس مسئلہ کی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

انسانی معاشرے اور اقتصادیات کا ایک اور اہم موضوع "سود" ہے۔ یہ موضوع اس لئے اہم ہے کیونکہ ایک طرف تو سود ہمارے معاشرے اور اقتصادیات کا ناسور بن چکا ہے جس کا سدّباب ضروری ہے۔ دوسری طرف عالمی فقر و فاقہ کے خاتمہ کے لئے عالمی سطح پر جو بحثیں چل رہی ہیں، ان میں سود کے بارے میں اسلام کے موقف کو ٹھوس بنیادوں پر منظر عام پر لانا ضروری ہے۔ اگرچہ مسلم امہ فکری طور پر اس مسئلہ کو واضح کرنے میں ہنوز ناکام نظر آتی ہے، تاہم مجلّہ نور معرفت کے اس شمارہ میں اس موضوع پر ایک نئی جہت سے بحث پیش کی گئی ہے۔

انسانی معاشیات سے مربوط ایک اور اہم اسلامی حکم "وقف" کا حکم ہے۔ وقف، طبقاتی تقسیم مٹانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے ملک میں محکمہ اوقاف کے ہوتے ہوئے بھی جس قدر اوقاف کا معاملہ بے توجہی کا شکار ہے شاید کوئی اور موضوع نہ ہو۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جہاں سرکاری سطح پر اس اہم مسئلہ پر خاطر خواہ توجہ دی جائے، وہاں ماہرینِ اقتصاد، علماء اور محققین بھی اس موضوع کی اہمیت کو بیش از پیش اجاگر کریں۔ اسی ہدف کے تحت "اسلام میں وقف کی اہمیت و ضرورت" کے عنوان کے تحت ایک مستقل مقالہ اس شمارہ میں قارئین کے استفادہ کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

چونکہ یہ شمارہ محرم اور صفر کے ایام میں منظر عام پر لایا جا رہا ہے لہٰذا اس کے اختتام پر ایک مقالہ جو کہ تحقیقی سے زیادہ ترویجی اور تنبیہی ہے، "محرم الحرام اور یادِ امام حسین علیہ السلام کے تقاضے" کے عنوان سے پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ مقالہ حادثہ کربلا کے تناظر میں مسلم امہ کے ہر طبقے کی ذمہ داریاں اجاگر کرتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمیشہ کی طرح مجلّہ نور معرفت کا یہ شمارہ بھی قارئین کے لئے مفید ثابت ہوگا اور ہماری یہ کاوش علم و عمل کے میدان میں تمام متعلقہ اداروں اور افراد کے لئے رہنمائے عمل واقع ہوگی۔

مہدویت بطورِ نظامِ حکومت

نذر حافی*
nazarhaffi@gmail.com

کلیدی کلمات: امام، مہدیؑ، مہدویت، انتظار، حکومت، دین، اسلام، تربیت

خلاصہ

انسان امن وسکون کا متلاشی ہے، ایک بہترین حکومت ہی انسان کو بہتر طور پر امن وسکون فراہم کر سکتی ہے، اپنے تاریخی وارتقائی سفر میں انسان نے مختلف نظام ہائے حکومت اپنائے، ترک کئے اور نت نئے نظام ایجاد کئے، تاہم آج تک انسان کوئی ایسا نظامِ حکومت وضع نہیں کر سکا جو اس کے خوابوں کی حقیقی تعبیر کہلاسکے اور اس کی دنیا کو امن وسکون سے معمور کرسکے۔ جیسے جیسے دنیا میں سائنسی وعلمی طور پر ترقی ہو رہی ہے اور جمہوریت کے شادیانے بجائے جارہے ہیں ویسے ایسے انسان کے مسائل میں شدید اضافہ ہوتا جارہا ہے اور انسان ترقی اور امن وسکون کے بجائے تباہی وبربادی اور جنگوں کی طرف بڑھتا ہی چلا جارہا ہے۔ انسانی حقوق عملا ناپید ہو چکے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے انسانوں کے بنائے ہوئے نظام ہائے حکومت پر تو توجہ دی ہے لیکن الٰہی نظامِ حکومت کے حوالے سے بے حسی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ارشاد پروردگار ہے:

هُوَالَّذی اَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدی وَ دینِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَی الدِّینِ کُلِّهِ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُونَ (سورہ توبہ، ۳۳)

یعنی: "وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے، اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔"

بحیثیت مسلمان ہم قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن میں اللہ تعالی کا وعدہ ہے کہ اس کا دین تمام ادیان پر غالب آکر رہے گا۔ ہمیں قرآن مجید کی اس پیشین گوئی کا انتظار کرنا چاہیے اور دین کو ویسے سمجھنا چاہیے جیسے اس کے غالب آنے کا حق ہے۔ لہٰذا دینِ اسلام کے غالب آنے کے حوالے سے عقیدہ مہدویت کا مطالعہ اور بطور نظام حکومت اس عقیدے پر مختلف زاویوں سے تحقیق کی ضرورت ہے۔ جب تک مسلمان عقیدہ مہدویت کو بطورِ نظامِ حکومت نہیں سمجھیں گے تب تک دینِ اسلام کے حقیقی غلبے کے راستے میں رکاوٹیں حائل رہیں گی۔

*۔ فاضل قم، محقق علوم اسلامیہ، مدرسہ امام خمینیؒ قم

مقدمہ

انسان ہمیشہ سے ایک بہترین نظام حکومت کی تلاش میں ہے، کبھی اس نے آمریت کو بہترین نظامِ حکومت جانا اور اس پر عمل پیرا ہوا، پھر اس نے بادشاہت کو منتخب کیا اور ایک بڑے عرصے تک اسے ہی بہترین نظامِ حکومت سمجھتا رہا پھر اس نے جمہوریت کو اختیار کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ تو End of the history ہے، یعنی اس سے بہترین نظام ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے لئے دینِ اسلام نے کس نظامِ حکومت کو مثالی قرار دیا ہے؟ قرآن مجید میں ارشادِ مبارک ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الارضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

ترجمہ: "اور البتہ تحقیق ہم نصیحت کے بعد زبور میں لکھ چکے ہیں کہ بے شک زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے۔" (1)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید سے پہلے والی کتابوں میں بھی خدا نے بنی نوعِ انسان سے وعدہ کیا ہے کہ زمین کے وارث اس کے نیک بندے ہی ہوں گے۔ مقامِ فکر یہ ہے کہ ان نیک بندوں کو آیا خود بخود حکومت مل جائے گی یا انہیں کچھ کرنا پڑے گا۔ چنانچہ دینِ اسلام کی معتبر کتابوں میں آیا ہے کہ اگر دنیا کی عمر ایک دن سے زیادہ نہ رہ جائے تو بھی خداوندِ عالم اس ایک دن کو اتنا طولانی کرے گا کہ حضور ﷺ کے اہل بیتؑ سے ایک شخص مبعوث ہوگا کہ جس کا اسم گرامی نبی آخر الزماں ﷺ کا اسم ہی ہوگا اور وہ شخص زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح پر کر دے گا جیسا کہ وہ اس سے پہلے ظلم و جور سے پر ہو چکی ہو گی۔ (2)

مندرجہ بالا سطور سے پتہ چلتا ہے کہ دینِ اسلام انسانوں کو ایک ایسے انسان کا سراغ بتا رہا ہے، جس کی حکومت قائم ہو کر رہے گی اور اس کی حکومت میں ہر طرف عدل ہی عدل ہوگا۔ یقیناً ایک خوشحال اور عادل حکومت ہی ہر انسان کو پسند ہے اور وہی حکومت انسان کے لئے بہترین حکومت ہے جس میں کسی پر کسی بھی قسم کا ظلم نہ ہو اور ہر طرف عدل و انصاف کی حاکمیت ہو۔ سنن ترمذی میں ارشادِ نبوی ہے کہ "یہ دنیا اپنے اختتام کو نہیں پہنچے گی مگر یہ کہ ایک مرد میرے اہلِ بیتؑ سے عرب پر حکومت کرے گا، وہ

میرا ہم نام ہوگا۔" (3) سنن ابی داود میں ہے کہ المهديّ من عترتي من ولد فاطمه، ''مہدیؑ میری آل میں سے اور فاطمہؑ کی اولاد میں سے ہیں۔" (4) اسی طرح سنن ابن ماجہ میں ہے کہ امام مہدیؑ، اہلِ بیت رسول ﷺ سے ہوں گے۔ (5)

مفہوم مہدویت

اس زمین پر حضور نبی اکرم ﷺ کی آل میں سے امام مہدیؑ نامی ایک شخص کی عادلانہ اور مثالی حکومت کا قیام۔

مہدوی حکومت کے خدوخال

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ مہدوی حکومت کی ایسی خصوصیات کیا ہوں گی کہ جن کی وجہ سے لوگ اس کے شیدائی ہوں گے اور عوام میں مقبولیت کے باعث وہ حکومت ایک مثالی حکومت کہلائے گی۔ اس حکومت کی عوامی مقبولیت کا یہ عالم ہوگا کہ دیگر حکومتیں اس میں ضم ہوتی چلی جائیں گی۔

۱۔ اسلامی تعزیرات کا نفاذ

اس حکومت کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہوگی کہ اس حکومت میں مکمل طور پر اسلامی تعزیرات نافذ ہوں گی اور کسی کو نہ ہی تو چھوٹ دی جائے گی اور نہ ہی کسی پر ظلم کیا جائے گا۔ (6) یعنی اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ قوانین کا بھرپور طریقے سے اجرا کیا جائے گا۔

۲۔ ہر دلعزیز حکومت

یہ حکومت مال و دولت والوں اور ثروت و طاقت والوں کے بجائے اسلامی اخلاق و اطوار والوں کی حکومت ہوگی، اس حکومت میں جو جتنا دیندار ہوگا وہ اتنا ہی عزت دار اور محترم شمار ہوگا۔ لوگوں میں عزت و وقار کا پیمانہ دینداری اور اخلاق ہوگا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا ارشاد ہے کہ "تم لوگوں کو قریش کے ایک فرد مہدیؑ کی بشارت دیتا ہوں کہ جس کی خلافت سے زمین و آسمان والے راضی ہوں گے۔" (7)

۳۔ علم و آگاہی کا دور دورہ

اس دور میں طبقاتی نظامِ تعلیم نہیں ہوگا اور نہ ہی تعلیم پر چند خاندانوں کا قبضہ نہیں ہوگا بلکہ تعلیم و شعور کی دولت عام ہوگی، عام انسانوں حتیٰ کہ گھریلو خواتین کے فہم و شعور کی سطح بھی بہت بلند ہوگی اور لوگ اپنے

علم و شعور کی بنیاد پر نظام زندگی اور معاشرتی تعلقات کو استوار کریں گے۔ ہر طرف علم و حکمت کے چشمے جاری ہونگے اور مکار اور شعبدہ باز افراد لوگوں کی جہالت سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

۴۔زمین کے خزانوں سے انسانیت کی خدمت

آج کل کے دور کی طرح زمین کے خزانوں پر استعمار اور طاغوت کا قبضہ نہیں ہوگا اور استعماری طاقتیں مختلف بہانوں سے دیگر اقوام کے معدنی وسائل پر ہاتھ صاف نہیں کر سکیں گی۔ یعنی اس زمانے میں معدنی وسائل اور معیشت پر محدود لوگوں کا قبضہ نہیں ہوگا بلکہ زمین کے خزانوں کے منہ عام انسانوں کے لئے کھلے ہوئے ہوں گے اور عام لوگ اپنی صلاحیت، استعداد اور ضرورت کے مطابق زمین کے ذخائر سے بھرپور اور عادلانہ استفادہ کریں گے۔

۵۔اختراعات وایجادات کا دور

علم و شعور کے عام ہونے کے باعث یہ اختراعات وایجادات کا دور ہوگا، انسان نت نئی ایجادات کے ذریعے انسانی معاشرے کی خدمت کریں گے اور پورا انسانی معاشرہ امن وسکون اور خوشحالی کی نعمت سے مالامال ہوگا۔ علم اور ٹیکنالوجی اپنے عروج پر ہوں گے اور انسان علوم وفنون سے انسانی معاشرے کی تعمیر کریں گے۔

۶۔ ظلم وجور کا خاتمہ

ظلم چاہے اقتصادی ہو، معاشی ہو، عسکری ہو یا جارحیت اور شب خون کی صورت میں ہو، اس کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا۔ چونکہ ظلم ہمیشہ جہالت کی کوکھ سے جنم لیتا ہے، جب جہالت ختم ہو جائے گی تو ظلم خود بخود ختم ہو جائے گا اور دوسری طرف نظامِ عدل بھی پوری طرح فعال ہوگا لہٰذا دنیا ہر طرح کے ظلم سے پاک ہو جائے گی۔ ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا اور مجرم پیشہ افراد کے ساتھ سخت قانونی برتاؤ کیا جائے گا۔ کسی بھی قسم کی رشوت یا سفارش کسی بھی ظالم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔

۷۔انسان کی قدر دانی

وہ انسانیت کی معراج کا دور ہوگا۔ اس دور میں علم و شعور اور آگاہی کے باعث ایک انسان دوسرے انسان کی خدمت کرنے کو عبادت اور شرف سمجھے گا اور کوئی بھی انسان دوسرے کے حقوق کو پائمال نہیں کرے گا بلکہ اپنے فرائض کی ادائیگی اور دوسرے انسانوں کی خوشحالی کے لئے کام کرنے کو اللہ سے قرب کا وسیلہ سمجھا جائے گا۔ اس طرح معاشرے میں انسانوں کی درمیان کسی قسم کی کوئی طبقاتی، جغرافیائی، لسانی یا ذات پات کی کوئی

تفریق اور فاصلہ نہیں ہوگا۔ سب آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں گے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں لوگوں کے دلوں سے کینہ اور دشمنی ختم ہو جائے گی۔(8)

۸۔ میرٹ کی حاکمیت

انسان اس دور میں بھی اپنا کام کاج کریں گے اور ہر انسان کو میرٹ کے مطابق اس کا حصہ ملے گا، ہر طرح کی رشوت اور سفارش ختم ہو جائے گی اور بغیر کسی رشوت اور سفارش کے لوگ اپنی استعداد کے مطابق اپنے لئے کام کاج کا انتخاب کریں گے۔ تمام تر اداروں میں میرٹ کی بنیاد پر افراد کا انتخاب ہوگا اور تمام تر فیصلے بھی میرٹ کی بنیاد پر ہوں گے۔ میرٹ کی حاکمیت کے باعث، برادری ازم، اقربا پروری، لوٹ کھسوٹ، دھونس دھاندلی اور مکر و فریب کا خاتمہ ہو جائے گا۔

۹۔ غربت و افلاس کا خاتمہ

عدالت، علم اور میرٹ کے باعث دنیا میں کوئی شخص فقیر اور نادار نہیں رہے گا حتیٰ کہ لوگ زکواۃ دینے کے لئے فقرا اور نادار حضرات کو ڈھونڈتے پھریں گے لیکن انہیں کوئی فقیر یا نادار شخص نہیں ملے گا۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ فرماتے ہیں کہ ناامیدی اور فتنوں کے زمانے میں مہدیؑ نامی شخص ظہور کرے گا جس کی بخشش اور عطا لوگوں کی خوشحالی کا باعث ہوگی۔ (9) ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ، ملاوٹ اور بخل و کنجوسی جیسی برائیوں کا قلع قمع کر دیا جائے گا جس کی وجہ سے معاشرے کے عام لوگ بھی مطمئن اور ثروت مندانہ زندگی بسر کریں گے۔

۱۰۔ نبی آخر الزماں ﷺ کی سنتوں کا احیا

اس زمانے میں ہر طرف حضور نبی کریم ﷺ کی سنتوں کا دور دورہ ہوگا اور لوگ اپنے شب و روز کو سرکارِ دوعالم کی سنتوں سے مزین کریں گے۔ پورا انسانی معاشرہ صدر اسلام کے مسلمانوں کی طرح محبت، اخوت اور رواداری کی مثال بن جائے گا۔ اگر کسی کو کوئی نعمت میسر ہوگی تو وہ سب سے پہلے اپنے ہمسایوں اور عزیز و اقارب میں اسے تقسیم کرنے کو سعادت سمجھے گا، اسی طرح ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کے لئے دعا اور طلبِ مغفرت کے ساتھ ساتھ اس کی عملی مدد بھی کرتا ہوا نظر آئے گا۔ گویا پوری عالمی برادری ایک بڑے خاندان میں تبدیل ہو جائے گی۔

۱۱۔ صحت وعلاج

مہدوی حکومت میں سب کے لئے یکساں طور پر صحت اور علاج کی سہولتیں میسر ہوں گی۔ ایسا نہیں ہوگا کہ امیر لوگ اچھے ہسپتالوں میں جائیں یا بیرون ملک علاج کے لئے جائیں اور غریب ایڑیاں رگڑتے رہیں، بلکہ تمام انسانوں کے لئے معیاری علاج کی سہولتیں عام ہوں گی جس کی وجہ سے اس زمانے کے لوگوں کی عمریں بھی طویل ہوں گی۔ یہاتنک کہ بعض عام افراد کی عمریں ہزار سال تک بھی پہنچ جائیں گی۔ (10)

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج ایسی مثالی حکومت کے قیام میں کیا مشکلات در پیش ہیں اور آج کا انسان ایسی حکومت سے محروم کیوں ہے!؟ دراصل اسلامی معاشرے نے ہی مہدویت کے تصور کو دنیا بھر میں متعارف کروانا تھا لیکن مہدویت کے حوالے سے خود یہی معاشرہ مختلف غلط فہمیوں کا شکار ہو گیا ہے جس کی وجہ سے مہدوی حکومت کی تشکیل کا خواب پورا نہیں ہو پارہا اور دنیا مہدویت کو ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔

اسلامی معاشرے میں مہدویت کے حوالے سے غلط تصورات

مسلمانوں کے ہاں مہدویت کے حوالے سے کچھ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں جن کا ذکر اور ازالہ ضروری ہے:

۱۔ صرف انتظار

مسلمانوں کے ہاں عام طور پر ایک بڑی غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر حضرت امام مہدیؑ کا انتظار کیا جائے۔ حالانکہ جب بھی کسی حکومت کے قیام کے لئے انتظار کیا جاتا ہے تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھا جاتا بلکہ اس حکومت کے لئے باقاعدہ کمپین اور مہم چلائی جاتی ہے تب جا کر وہ حکومت قائم ہوتی ہے۔

۲۔ اپنی ذمہ داریوں سے ناآشنائی

مسلمانوں کی اکثریت یہ نہیں جانتی کہ اسے ایک مہدوی حکومت کی تشکیل کے لئے کیا کرنا چاہیے، یعنی عام مسلمان اس حوالے سے یہ نہیں جانتا کہ اس کی کیا ذمہ داری بنتی ہے؟!

۳۔ مہدویت کے بارے میں عدم شعور

بہت سارے مسلمان مہدویت کے بارے میں تفصیلی طور پر کچھ بھی نہیں جانتے، بلکہ یوں تو جمہوریت و آمریت اور بادشاہت کے بارے میں تو ہماری معلومات بہت زیادہ ہوتی ہیں لیکن اس کی نسبت مہدویت کے بارے میں ہم سطحی سے معلومات بھی نہیں رکھتے، جس کی وجہ سے مہدویت کی حکومت کی تشکیل میں مشکلات حائل ہیں۔

۴۔ مہدویت بغیر نصاب کے

ہمارے ہاں مسلمان ہونے کے باوجود مہدویت ہمارے نظامِ تعلیم میں شامل نہیں، جس کی وجہ سے ہم نسل در نسل مہدویت سے ناآشنا ہیں، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مہدوی حکومت محض ایک یا کچھ معجزات سے قائم ہو جائے گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مہدویت کو تمام تر تفصیلات کے ساتھ نصابِ تعلیم میں شامل کیا جائے تاکہ لوگ مہدویت کو اچھی طرح سمجھیں اور امام مہدیؑ ہونے کے جھوٹے دعویداروں کو بھی پہچانیں۔

۵۔ مہدویت بدونِ نظامِ حکومت

ہمارے ہاں اگر مہدویت پر بات کی بھی جاتی ہے تو بطورِ نظامِ حکومت نہیں کی جاتی، بلکہ مہدویت کو قیامت کی نشانیوں اور آخرت کی علامات سے جوڑ کر اس بحث کو ختم کر دیا جاتا ہے۔

مہدوی حکومت کی تشکیل کے لئے درست لائحہ عمل

۱۔ مہدویت شناسی

سب سے پہلے جمہور کو مہدویت سے آشنا کیا جائے اور عوام النّاس میں ایک مہدوی حکومت کے قیام کی تڑپ پیدا کی جائے، لوگوں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ سمجھایا جائے کہ ان کے تمام تر مسائل کا حل مہدوی حکومت کی تشکیل میں پوشیدہ ہے تاکہ لوگ کسی تشنہ شخص کی طرح مہدویت کی تشنگی کو محسوس کریں۔ نیز ضروری ہے کہ ہر عمر، ہر مذہب اور ہر دین کے شخص کو مہدوی حکومت سے آشنا کرنے کے لئے مخصوص ادارے اور ریسرچ سنٹرز قائم کیے جائیں۔ ایسے سنٹرز میں محققین مخاطب شناسی کرکے مخاطبین کی ذہنی سطح کے مطابق مہدویت کو بیان کریں۔

۳۔ اپنی ذمہ داریوں کا تعین

اس دنیا کو بد بختی، فقر، جہالت اور ظلم سے نجات دلانے کے لئے ہر شخص کو اپنی ذمہ داری ادا کرنی چاہیے، مہدوی حکومت کی تشکیل کے لئے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ مہدوی حکومت کی خصوصیات کیا ہیں!؟ مثلاً مہدوی حکومت کی ایک خصوصیت علم و آگاہی کا دور دورہ ہے تو ہمیں دنیا میں علم و آگاہی کو عام کرنے کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہیے، اسی طرح اگر مہدوی حکومت کی ایک اور خصوصیت ظلم و جور کا خاتمہ ہے تو ہمیں جہاں بھی ہوں ظلم و جور کے خاتمے کے لئے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، ہم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ جس حال میں ہے وہاں سے کس مہدوی خصوصیت کو عملی کر سکتا ہے۔ اگر ہم میں سے ہر

شخص اپنی بساط کے مطابق مہدوی حکومت کی خصوصیات کو اپنانے اور پھیلانے کا کام شروع کر دے تو یہ معاشرہ خود بخود مہدوی حکومت کی طرف بڑھنے لگے گا۔

۴۔ انتظار کا درست مفہوم

عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مہدوی حکومت کا بس انتظار کیا جائے اور یوں خود بخود وہ حکومت قائم ہو جائے گی۔ ایسے لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ ہماری یہ دنیا اسباب اور مسبّب کی دنیا ہے، اگر ہم خود مہدوی حکومت کے اسباب فراہم نہیں کریں گے تو اسی طرح مختلف انواع و اقسام کی حکومتیں ہمارا استحصال کرتی رہیں گی۔ لہٰذا جس طرح ہم دیگر حکومتوں کے قیام کے لئے کمپین اور مہم چلاتے ہیں اسی طرح ہمیں مہدوی حکومت کے لئے بھی کمپین اور مہم چلانی چاہیے، ہماری تحاریر و تقاریر میں جابجا مہدویت کا ذکر ملنا چاہیے اور لوگوں کو مہدوی حکومت کی خصوصیات کو اپنانے اور پھیلانے کی تلقین کی جانی چاہیے۔

۵۔ مہدوی حکومت اور انقلاب

ظاہر ہے دنیا میں اتنی بڑی تبدیلی کہ ظلم کی جگہ عدل لے لے، تاریکی کی جگہ نور لے لے، کفر کی جگہ اسلام آجائے، شر کی جگہ خیر سنبھال لے، رشوت کی جگہ میرٹ کا بول بالا ہو یہ سب کچھ بیٹھے بٹھائے ہونے والا نہیں ہے، اس کے لئے ایک بہت بڑی انقلاب اور تبدیلی کی ضرورت ہے۔ یہ انقلاب اور تبدیلی لوگوں کے سر کاٹنے سے ممکن نہیں بلکہ اس نقلاب اور تبدیلی کے لئے لوگوں کے افکار کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر لوگوں کا باطن تبدیل ہو جائے اور لوگ عقلی طور پر ظلم و ستم، کرپشن اور دھاندلی، فقر اور ناداری نیز جبر و استحصال سے نفرت کرنے لگیں تو باہر کی دنیا خود بخود تبدیل ہو جائے گی۔

ہمارے عہد کا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے دور کا انسان ابھی تک اچھائی اور برائی کو تشخیص دینے میں گومگو کی کیفیت سے دوچار ہے، یہ بے چارہ یہ تو چاہتا ہے کہ دوسرے غلط کام نہ کریں لیکن اگر اسے موقع مل جائے تو یہ خود وہی کام کرنے لگتا ہے جن سے دوسروں کو منع کر رہا ہوتا ہے۔ یعنی ہمارے دور کے انسان کی تربیت ابھی اس سطح کی نہیں ہوئی کہ وہ اپنے لئے بھی وہی پسند کرے جو دوسروں کے لئے پسند کرتا ہے۔

تربیت پر توجہ کی ضرورت

کسی بھی انقلاب کے لئے تربیت یافتہ افراد کی ضرورت ہوتی ہے، حضرت امام مہدیؑ کے انقلاب کے لئے بھی تربیت یافتہ افراد کی ضرورت ہے، وہ ایسے افراد ہونے چاہیے کہ جو سب سے پہلے خود مہدویت کی

خصوصیات سے مزین ہوں اور دوسرے لوگ ان کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر مہدوی بننے کی تمنّا کریں۔ اگر ایسے اخلاق و کردار کے حامل افارد کی تربیت نہیں کی جاتی تو ظاہر ہے کہ پھر مہدوی حکومت کے قیام میں بھی بہت تاخیر ہو سکتی ہے۔ یہ تربیت بھی دو طرح کی ہونی چاہیے :

عمومی تربیت اور خصوصی تربیت: عمومی تربیت کے طور پر تمام انسانوں کو خیر و بھلائی اور دین اسلام پر عمل کرنے کے دعوت دی جانی چاہیے اور خصوصی تربیت کے طور پر ایسے افراد کی خصوصی تربیت کی جائے جو مہدویت کے عمیق مسائل کو قرآن و سنت سے بطریقِ احسن استخراج کرکے لوگوں تک مہدویت کا پیغام عملی طور پر پہنچائیں۔ جس نظریے کے پاس تربیت یافتہ افراد نہ ہوں وہ نظریہ کوئی انقلاب یا تبدیلی نہیں لا سکتا لہٰذا ایک مہدوی انقلاب کے لئے افراد کی نظریاتی و عملی تربیت ضروری ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت امام مہدیؑ کے حکومتی اہلکاروں میں حضرت عیسیٰؑ، اصحاب کہف، مومن آل فرعون جیسی عظیم ہستیوں کے نام بھی آتے ہیں۔ (11)

نتیجہ :۔

دینِ اسلام اللہ کا آخری دین ہے، یہی دین انسانوں کی سعادت و خوشبختی کا بھی ضامن ہے، اس دین میں فقط انسانوں کے لئے اخلاق و طہارت اور عبادات کے احکام نہیں بیان کئے گئے بلکہ انسانوں کی خوش بختی کے لئے ایک مکمل نظام حکومت کے بارے میں بھی بتایا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق اس دینی حکومت کے قیام کے لئے جدوجہد کریں جس کا کتاب و سنت میں ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

جب تک مسلمان ایک الٰہی اور عالمی حکومت کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں کریں گے تب تک خود بخود مسلمانوں کی عالمی حکومت قائم نہیں ہو جائے گی۔ اس عالمی اور عادل حکومت کا نام مہدویت ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ جس فرقے سے بھی تعلق رکھتے ہوں، مہدویت کے حوالے سے تحقیق کریں اور مہدوی حکومت کے قیام کے لئے ممکنہ راہ حل سوچیں اور دنیا کو اس کی طرف دعوت دیں۔

*****

حوالہ جات

1۔سورہ انبیا آیت ۱۰۵
2۔الف۔ سنن ترمذی، ج4 ص438-کتاب الفتن، باب 52 ماجاء فی المہدی، ح 2231 ؛ دار الرائد العربی، بیروت۔
3۔ایضا؛ جلد ۴ ح ۲۲۳۰
4۔ سنن ابی داود، کتاب المہدی، ح 4284؛؛ دار الرائد العربی، بیروت۔
5۔ج 2 ص 1367
6۔ شیخ صدوق، کمال الدین ص ۶۶۸؛ دار الکتب الاسلامیہ، قم۔
7۔ ینابیع المودّۃ ص ۴۳۱؛ دار العراقیۃ الکاظمیۃ، انتشارات محمدی، قم، چاپ ہشتم۔
8۔ مصنف عبد الرزاق، ج ۱۱، ص ۴۰۲؛ دالکتب الاسلامیہ، قم۔
9۔احقاق الحق ج ۱۳، ص ۲۴۸؛ مکتبہ آیۃ اللہ المرعشی النجفی، قم۔
10۔ شیخ مفید، ارشاد مفید ص ۳۶۳؛ کنگرہ شیخ مفید قم۔
11۔ معجم رجال الحدیث، ج ۸، ص ۳۴۶؛ چاپ وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی۔ تہران۔

قرآن میں شفاعت کا عقیدہ

مسلم عباس*

کلیدی کلمات: شفاعت، عقیدہ، قرآن، آیات، شرک۔

خلاصہ

شفاعت کا عقیدہ مسلمانوں کا اپنا بنایا ہوا عقیدہ نہیں بلکہ خدا کا قرآن میں بیان کیا ہوا عقیدہ ہے۔ دراصل، جن لوگوں نے شفاعت کے عقیدے کو ٹھکرایا ہے انہوں نے قرآن کریم کی ان آیات پر کوئی توجہ نہیں دی جن سے شفاعت کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ شفاعت کے عقیدہ کو ٹھکرانے کی ایک اور بڑی وجہ اسلامی اصطلاحات کو درست درک نہ کرنا ہے۔ اور خود اس غلطی کا موجب علوم دین کو اہل بیت علیہم السلام سے حاصل نہ کرنا ہے۔ اس مقالہ میں بحث کا محور یہ ہے کہ جب خدا نے خود قرآن میں کہہ دیا کہ میرے اذن سے بعض افراد بعض دوسرے افراد کی شفاعت کر سکتے ہیں تو یہ کہنا کہ شفاعت کا عقیدہ رکھنا، شرک ہے، دراصل، قرآن پر اعتراض ہے۔ مقالہ ہذا میں اس مسئلہ پر قرآن کریم کی مجموعی آیات کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

* - فاضل قم، محقق علوم اسلامیہ، مدرسہ امام خمینیؒ قم۔

مقدمہ

اس وقت مسلمانوں میں عقیدہ شفاعت ایک اختلافی موضوع کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو علماء عقیدہ شفاعت کو قبول کرتے ہیں وہ قرآن اور احادیث سے دلائل دیتے ہیں اور جو علماء اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ زیادہ تر قرآن سے دلائل دیتے ہیں اور جو احادیث عقیدہ شفاعت کو بیان کرتی ہیں ان کو جعلی قرار دیتے ہیں یا ان کی تاویل کر دیتے ہیں اور عقیدہ شفاعت کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی وجہ چند آیات ہیں جن سے انہوں نے اپنا عقیدہ بنالیا ہے۔

لیکن یہاں یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ اگر کوئی عقیدہ شفاعت کو قبول کرتا ہے تو قطعاً وہ شرک کا مرتکب نہیں ہوتا، مخالفین حد اکثر یہ کہ سکتے ہیں کہ اس کا عقیدہ درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عقیدہ شفاعت کو بالکل قبول نہیں کرتا تو ہم اسے جہنمی نہیں کہہ سکتے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی معرفت بہت کم ہے۔

اس تحقیق میں ہم فقط آیات قرآن کے ذریعے بیان کریں گے کہ قرآن عقیدہ شفاعت کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ عقیدہ شفاعت کا فائدہ کیا ہے اور جو افراد آیات قرآن سے استدلال کرکے عقیدہ شفاعت کو شرک یا حرام سمجھتے ہیں ان کا بھی آیات قرآن کے ساتھ جواب دیا جائے گا کہ انہوں نے آیات قرآن کو درست نہیں سمجھا۔

شفاعت لغت میں

(ش ف ع) کے مادے سے ثلاثی مجرد کا مصدر ہے۔ اس مادے کے "مشتقات شَفَعَ يَشْفَعُ شَفَاعَةً شَافِعٌ و شَفِيعٌ، و الْمُشَفِّعُ: الذی یقبل الشّفاعة، جو شفاعت کو قبول کرتا ہے۔ و الْمُشَفَّعُ الذی تُقْبَل شفاعته، جس سے شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ جس کا معنی جفت، عربی کے لفظ وتر (طاق) کے مقابلے میں آتا ہے۔ جیسے سورہ فجر کی تین نمبر آیت میں ہے۔

والشفع والوتر (1) (قسم ہے جفت اور طاق کی) شئ کا اس کی مثل میں ضم ہونا، (2) ایک شئ کو دوسری شئ میں ضم کرنا یا ملانا، (3) دو اشیاء کو ملانا (4)، کسی مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے دو اشیاء کو ملانا تاکہ نتیجہ حاصل ہو۔ (5)

جمع بندی: مادہ (ش ف ع) کا معنی حقیقت میں جفت ہے۔ لیکن جب یہ مصدر میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی شفاعت، تو اس کا مطلب جو التحقیق میں بیان کیا گیا نزدیک تر ہے کہ کسی مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے دو اشیاء کو ملانا تاکہ نتیجہ حاصل ہو۔

شفاعت کا لفظ اصطلاح میں

ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کو خیر پہنچانے یا شر کو دور کرنے کے لیے خدا کے درمیان واسطہ بننا، چاہے دنیا میں ہو یا آخرت میں شفاعت کہلاتا ہے۔ (6)

شفاعت, مجرم میں اس طرح سے تحول اور تبدیلی ایجاد کرنا کہ جس عذاب کا وہ مستحق تھا اس سے وہ عذاب دور ہو جائے اور اسے سزا کے دائرے سے نکال دے۔ (7)

کسی شخص کے حق میں شفاعت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ شخص ان ضروری صلاحیتوں سے محروم ہو جو بہشت میں لے جانے کے لیے ضروری ہیں اور اس کے حق میں شفاعت قبول ہو جائے؛ تشریعی شفاعت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سزاؤں کا اسلامی قانون باطل کر دیا جائے یا کسی سزا کے مستحق مجرم پر قانون کا اطلاق نہ ہو بلکہ شفاعت کے معنی یہ ہیں کہ مجرم کی حالت کو بدل دیا جائے اور سزا کا استحقاق اس سے سلب کیا جائے اور وہ عفوِ خداوندی کا اہل ہو جائے۔ (8)

حقیقی شفاعت اور باطل شفاعت میں فرق

حقیقی شفاعت اللہ سے شروع ہوتی ہے اور گنہگار پر ختم ہوتی ہے اور باطل شفاعت [سفارش] میں یہ سلسلہ گنہگار سے شروع ہوتا ہے۔ حقیقی شفاعت میں اللہ خود وسیلہ یعنی شفیع مقرر فرماتا ہے جبکہ باطل شفاعت میں مشفوع لہ یعنی گنہگار، شفیع کو متحرک کر دیتا ہے۔ شفیع کو اللہ تعالی وسیلہ قرار دیتا ہے اور خدا ہی ہے جس نے وسیلے کو وسیلہ قرار دیا ہے۔ (9)

عقیدہ شفاعت اور عقیدہ توسل میں فرق

توسل: ایک فرد جو معصوم علیہ السلام سے شفاعت کی درخواست کرتا ہے اور انہیں خدا کی بارگاہ میں اپنی حاجات کی قبولی کے لیے وسیلہ قرار دیتا ہے۔ جبکہ شفاعت میں فرد نہیں بلکہ معصوم علیہ السلام اللہ سے درخواست کرتا ہے کہ شفاعت مانگنے والے کو بخش دے۔

عقیدہ شفاعت قرآن کی روشنی میں

قرآن مجید میں عقیدہ شفاعت کو بیان کرنے والی آیات چار قسم کی ہیں۔ کل آیات جن میں شفاعت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ 31 ہیں۔ یہاں ہم فقط چند آیات پیش کرتے ہیں۔

وہ آیات جو مطلقاً عقیدہ شفاعت کی نفی کرتی ہیں۔

وَاتَّقُواْ يَوْماً لاَّ تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئاً وَلاَ يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلاَ يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلاَ هُمْ يُنصَرُونَ۔ (10)

ترجمہ: "اور اس دن سے بچنے کا سامان کرو جب نہ کوئی دوسرے کو کوئی فائدہ پہنچا سکے گا اور نہ کسی کی شفاعت (یا سفارش) قبول ہوگی اور نہ کسی کا کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔"

وَ اتَّقُواْ يَوْمًا لَّا تجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَ لَا يُقْبَلُ مِنهَا عَدْلٌ وَ لَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَ لَا هُمْ يُنصَرُون۔ (11)

ترجمہ: "اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کا فدیہ نہ ہوسکے گا اور نہ کوئی معاوضہ کام آئے گا نہ کوئی سفارش ہوگی اور نہ کوئی مدد کیا جاسکے گا۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَنفِقُواْ مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لاَّ بَيْعٌ فِيهِ وَلاَ خُلَّةٌ وَلاَ شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ (12)

ترجمہ: "اے ایمان لانے والو جو کچھ ہم نے تم کو روزی دی ہے اس میں سے خیرات کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی نہ دوستی اور نہ سعی سفارش (شفاعت) اور کافر لوگ خود ہی ظلم کرنے والے ہیں۔"

وہ آیات جو شفاعت کو صرف اللہ کی ذات سے مختص کرتی ہیں۔

وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُواْ إِلَىَ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُون (13)

ترجمہ: "اور آپ اس کتاب کے ذریعہ انہیں ڈرائیں جنہیں یہ خوف ہے کہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور اس کے علاوہ کوئی سفارش کرنے والا یا مددگار نہ ہوگا شاید ان میں خوف خدا پیدا ہو جائے۔"

وَ ذَكِّرْ بِهِ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا (14)

ترجمہ: "اور ان کو یاد دہانی کراتے رہو کہ مبادا کوئی شخص اپنے کئے کی بنا پر ایسے عذاب میں مبتلا ہو جائے کہ اللہ کے علاوہ کوئی سفارش کرنے والا اور مدد کرنے والا نہ ہو اور سارے معاوضے اکٹھا بھی کر دے تو اسے قبول نہ کیا جائے۔"

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ۔ (15)

ترجمہ: " اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر برقرار ہوا اور اسے چھوڑ کر تمہارا نہ کوئی مالک ہے اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا تو کیا تم نصیحت نہیں لیتے؟"

قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعاً لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (16)

ترجمہ: "کہئے کہ شفاعت پوری کی پوری اللہ کے قبضے میں ہے اسی کے لیے مخصوص ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔"

بعض آیات دوسروں کے لیے بھی شفاعت کو جائز قرار دیتی ہیں

مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلاَ يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلاَّ بِمَا شَاء (17)

ترجمہ: "کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرسکے. وہ جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے سب کو جانتا ہے اور یہ اس کے علم کے ایک حصّہ کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر وہ جس قدر چاہے۔"

يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِن قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا (18)

ترجمہ: "جو لوگ پہلے سے اسے بھولے ہوئے تھے وہ کہنے لگیں گے کہ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول صحیح ہی پیغام لائے تھے تو کیا ہمارے لئے بھی شفیع ہیں جو ہماری سفارش کریں؟"

وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّى إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ۔ (19)

ترجمہ: " اور اس کے یہاں شفاعت فائدہ نہیں دیتی مگر اس کی جسے وہ اجازت دے، یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے اضطراب دور کر دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا؟ وہ کہیں گے کہ اس نے حق کہا تھا اور وہ اونچا ہے، بہت بڑا۔"

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ(20)

ترجمہ: " اللہ ان باتوں کو جانتا ہے جو ان کے روبرو اور جو ان کے پس پردہ ہیں اور وہ فقط ان لوگوں کی شفاعت کر سکتے ہیں جن سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ کی ہیبت سے ہراساں رہتے ہیں۔"

بعض آیات شفیع (شفاعت کرنے والے) کی شرائط بیان کرتی ہیں

1. خدا کے پاس عہد رکھتے ہوں گے:

لَّا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَانِ عَهْدًا (21)

ترجمہ: "کسی کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا سوائے اس کے جس نے رحمٰن سے عہد لیا ہو۔"

2. خدا کی طرف سے اذن رکھتے ہوں گے:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَانُ وَ رَضِيَ لَهُ قَوْلا (22)

ترجمہ: " اس روز شفاعت کسی کو فائدہ نہ دے گی سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند کرے۔"

3. خدا پر ایمان اور بندوں کے اعمال سے آگاہی رکھتے ہوں گے:

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُون(23)

ترجمہ: "اور اس کے علاوہ جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سفارش کا بھی اختیار نہیں رکھتے ہیں.... مگر وہ جو علم کے ساتھ حق کی گواہی دینے والے ہیں۔"

چاروں اقسام کی آیات کا نچوڑ

ان تمام آیات کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ آسانی سے لیا جا سکتا ہے۔ کہ شفاعت ہر کسی کو شامل نہیں ہو گی بلکہ جس کی شفاعت کی جائے گی اس میں بھی کچھ صلاحیت ہونی چاہیے جو لوگ دنیا میں ضد، ہٹ دھرمی اور عناد اور ظلم اور شرک کے ساتھ دنیا سے جائیں گے۔ ان کی شفاعت خدا بھی نہیں کرے گا۔ اس لیے کچھ آیات مطلقاً شفاعت کی نفی کرتی ہیں۔

شفاعت کا اصلی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور وہی اس کا حق رکھتا ہے۔ اگر دوسرے اللہ کے نیک بندے کچھ افراد کی شفاعت کریں گئے وہ بھی اللہ کی رضایت اور اذن سے کریں گے۔ اس لیے کچھ آیات شفاعت کو اللہ کے ساتھ مختص کرتی ہیں اور کچھ غیر اللہ کو بھی شامل ہیں۔ جہاں بھی غیر اللہ کی شفاعت کی بات آئی وہاں ساتھ اللہ کے اذن اور رضایت کا بھی ذکر ہوا۔ کوئی بھی شفیع، اللہ کی ذات سے بے نیاز ہو کر مستقلا شفاعت نہیں کر سکتا۔ کچھ آیات میں شفاعت کرنے والوں کی شرائط بھی بیان ہوئی ہیں۔

ان شرائط سے پتہ چلتا ہے کہ شفاعت کرنے والے فقط نبی علیہ السلام و معصومین علیہ السلام نہیں بلکہ عام مومنین جو عالی درجہ پر ہوں گئے وہ بھی شفاعت کر سکیں گئے۔ کچھ لوگوں کی شفاعت نبی، معصومین علیہ السلام، شہداء، علماء یا اعلی درجہ پر فائز مومنین کریں گئے۔ کچھ افراد ایسے بھی ہوں گئے جن کا شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا، تو ان کی شفاعت خدا خود کرے گا۔ (24)

شفاعت کی راہ میں رکاوٹیں

بعض روایات اور آیات قرآن کے مطابق بعض افراد اور گروہ شفاعت سے محروم رہیں گئے۔ کافر، مشرک، دشمنان اہل بیت علیہ السلام، شفاعت کی تکذیب کرنے والے، خائن، نماز کو کم اہمیت دینے والے، علی علیہ السلام کی ولایت کا انکار کرنے والے، اور منافقین شفاعت سے محروم رہیں گے۔ خدا بھی ان کی شفاعت نہیں کرے گا۔ (25)

عقیدہ شفاعت کا فائدہ

ایسا نہیں کہ جو لوگ عقیدہ شفاعت رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے، وہ برابر ہیں۔اور عقیدہ شفاعت رکھنے والوں کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا، اگر ایسا ہوتا تو خدا 31 بار اس عقیدہ کو بیان نہ کرتا۔ اس عقیدے کے چند فوائد ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

1۔انسان کے کمال میں میں نواقص کی تکمیل

ہر انسان اپنے حساب سے اپنے کمال تک پہنچنے میں کچھ نقائص رکھتا ہے جس کے لیے اسے شفاعت کی ضرورت ہوگی۔ شفاعت کے ذریعے وہ ان مقامات کو کشف کرسکے گا جو وہ خود حاصل نہیں کرسکا تھا۔ چونہ شفاعت فقط گنہکاروں کی ہی نہیں بلکہ درجات کی بلندی کے لیے بھی شفاعت ہوگی۔ بعض افراد چھوٹے سے گناہ کی وجہ سے بلند مقام پر پہنچنے سے محروم ہو جائیں گئے۔اس لیے شفاعت ان کو بھی فائدہ دے گی۔

2۔امید کا اضافہ ہونا

انسان خطا کا پتلا ہے۔ اور اکثر انسان اگر اپنے آپ پر غور کرے تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ وہ جنت کا مستحق نہیں۔ بعض دفعہ ممکن ہے انسان کچھ گناہ کرنے کے بعد اپنا محاسبہ کرے اور ناامید ہو جائے تو اس وقت زیادہ امکان ہوتا ہے کہ وہ شیطان کے نرغے میں چلا جائے۔ کہ ویسے بھی جہنم میں جانا ہے دنیا تو عیش سے گزاروں۔ لیکن عقیدہ شفاعت اسے بار بار امید دلاتا ہے کہ اب بھی اپنی اصلاح کرے تو بخشش کے امکانات ہیں۔

3۔اولیائے الٰہی کے ساتھ روحانی رابطہ برقرار کرنے کی کوشش

جو شخص شفاعت کی امید رکھتا ہے اس کا ضمیر اسے بار بار اولیاء خدا کی طرف لے جاتا ہے کہ ان سے ارتباط برقرار کرے۔اور ایسے افعال انجام دے کہ ان کی شفاعت کا مستحق قرار پائے۔

4۔گناہوں سے دوری

جو لوگ عقیدہ شفاعت رکھتے ہیں اُنہیں اُن کا ضمیر برے اعمال پر ملامت کرتا رہتا ہے کہ کہیں ایسا کام انجام نہ دے کہ شفاعت سے بھی محروم ہو جائے۔

عقیدہ شفاعت سے متعلق شبہات اور ان کا جواب

جو لوگ شفاعت کو شرک کہتے ہیں اور شفاعت کے بالکل منکر ہو گئے ہیں، ان کو ان آیات سے شبہہ ہوا جو مطلقاً شفاعت کی نفی کرتی ہیں اور وہ آیات جو فقط شفاعت کو اللہ سے مختص کرتی ہیں۔ لیکن وہ آیات جو یہ کہتی ہیں کہ اللہ کے اذن اور رضایت سے دوسرے بھی شفاعت کر سکتے ہیں۔ اور وہ آیات جو شفاعت کرنے والوں کی شرائط بیان کرتی ہیں۔ انہوں نے ان پر توجہ نہیں کی۔ یہاں پر ہم شفاعت سے متعلق چند شبہات ذکر کرتے ہیں۔

عقیدۂ شفاعت کی مشرکین کے عمل سے تشبیہ

منکرین شفاعت کی دلیل یہ ہے کہ خداوند متعال نے قرآن کریم میں عصر رسالت کے مشرکین کو اس لئے کافر قرار دیا کہ وہ غیر اللہ سے شفاعت طلب کرتے تھے۔ چونکہ قرآن کہتا ہے۔ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّهِ مَالاَيَضُرُّهُمْ وَلاَيَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلاء شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّهِ" (26) ترجمہ: "وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ انہیں نفع پہنچا سکتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔"

منکرین شفاعت کی اس دلیل کے جواب میں درج ذیل چند امور کا ایک ساتھ خیال رکھنا ضروری ہے۔ اگر ان امور پر توجہ دی جائے تو مذکورہ بالا دلیل کا جواب مل جاتا ہے۔ یہ امور درج ذیل ہیں:

الف) آیت کا مفہوم

اس میں شک نہیں ہے کہ عصر رسالت کے مشرکین اپنے بتوں اور معبودوں کے لئے شفاعت کے قائل تھے؛ تاہم اس آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ وہ ان بتوں کی پوجا اور عبادت بھی کرتے تھے اور ان کے لئے مقام شفاعت کے بھی قائل تھے (اور پھر وہ بتوں سے شفاعت مانگتے تھے چنانچہ بتوں سے شفاعت مانگنا اور ان کی پرستش کرنا دونوں قابل مذمت ہیں) اور اگر شفاعت کا عقیدہ بندگی اور عبودیت کے ہمراہ ہو تو یہ شرک ہے۔ اگر شفاعت کا عقیدہ عبودیت اور بندگی کے ساتھ نہ ہو تو قطعاً شرک نہیں۔

ب) خدا کا حق شفاعت دینا

اگر شفاعت کا عقیدہ شرک ہے تو خدا قطعاً شرک کا حکم نہیں دے سکتا۔ حقِ شفاعت کا عقیدہ ایسی ہستیوں کے بارے میں جنہیں یہ حق اللہ تعالی نے عطا فرمایا ہے اور وہ اللہ کے اذن سے اپنا یہ حق استعمال کرتے ہوں وَلَایَشْفَعُونَ اِلَّالِمَنِ ارْتَضٰی۔ (27) ترجمہ: " اور وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اس کے لئے جس سے وہ راضی و خوشنود ہو" (اور اس کے حق میں ہونے والی شفاعت کو پسند کرے) تو اس کا کوئی اعتراض وارد نہ ہوگا؛ اور پھر دنیا کا کوئی بھی مسلمان شفیعوں، شفعاء کے لئے الوہیت و ربوبیت کا قائل نہیں ہے اور ان کا عقیدہ اور عمل آیت مذکورہ میں مشرکین کے عمل سے مشابہت نہیں رکھتا۔

ج) والدین کے ہاتھ یا بچوں کو چومنا

تمام مسلمان والدین کے ہاتھ چومنے اور بچوں کو چومنے کو شرک نہیں کہتے اور نہ اسے عبادت سمجھتے ہیں۔ چونکہ الوہیت اور ربوبیت کے عقیدے کے بغیر فقط چومنے سے شرک کا عنوان صدق نہیں آتا۔ اسی طرح جب شفاعت کے عقیدے میں الوہیت اور ربوبیت نہیں آتی اس پر بھی شرک کا عنوان صدق نہیں آتا۔

د) بت نفع و ضرر کے مالک نہیں

بت لکڑی اور پتھر کے بنے ہوئے ہوتے تھے اور انہیں اللہ کی طرف سے نفع و ضرر پہنچانے کا اذن نہیں ملا تھا اور یہ بت پرستوں کا دعوی تھا جو ان پتھروں اور لکڑیوں کے لئے تاثیر کے قائل تھے اور یہ تصور اللہ کے اذن سے شفیعوں کی شفاعت کی تاثیر سے مکمل طور پر مختلف ہے۔ سورۂ یونس کی آیت ۱۸ میں خداوند متعال بت پرستوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے: "تم بتوں کے لئے اس مقام و منزلت کے قائل ہو جو میں نے انہیں دیا، کیا تم اس عمل سے خدا کو کسی چیز (بتوں کی تاثیر) کی خبر دینا چاہتے جس کی اس کو خبر نہیں ہے؟

اور یہ عمل اولیائے الٰہی سے شفاعت مانگنے کے عمل سے مختلف ہے نیز اس آیت کریمہ میں شفاعت کی درخواست کے بارے میں بات نہیں ہوئی بلکہ موضوع کلام اس آیت میں بتوں سے شفاعت کا عقیدہ رکھنا ہے؛ خداوند متعال نے ارشاد فرمایا ہے: وَيَقُولُونَ هؤُلاء شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّهِ"۔ ترجمہ:

"یہ (بت) اللہ کے یہاں ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔" یہ نہیں فرمایا کہ: یَقُولُونَ اِشْفَعُوا لَنا عِنْدَ اللّٰہِ "(وہ بتوں سے کہتے ہیں کہ "اللہ کے یہاں ہماری شفاعت کرو")

غیر خدا سے شفاعت مانگنا شرک ہے۔

شفیع سے شفاعت طلب کرنا غیر اللہ سے دعا کرنے کے مترادف ہے اور یہ "شرک فی العبادہ" ہے۔ کیونکہ خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے : فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَداً"۔۔ (28) ترجمہ: "پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت بلاؤ[مت پکارو یا کسی اور سے دعامت کرو)"۔

محمد بن عبدالوھاب نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ شفیعان کو حق شفاعت حاصل ہے لیکن اس آیت کی روشنی میں ان سے شفاعت طلب کرنا حرام ہے۔ (29)

جواب:

الف) مع کا معنی اور آیت کا مفہوم

اس آیت میں معیت سے نہی کا عنصر ہے یعنی کسی کو اللہ کے برابر اور ہم رتبہ اور ہم شان اور متوازی وجود مت سمجھو۔ اس آیت کا خطاب ان مشرکین سے ہے جو واسطوں کے لئے علیحدہ اور مستقل شان و منزلت کے قائل تھے۔ اس آیت میں اگر غیر اللہ سے درخواست شرک ہے تو افراد [شافعین] کی حیات و ممات میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے اور حیات میں بھی رسول خداﷺ اور دوسروں کو پکارا جائے تو وہ بھی شرک کے دائرے میں آنا چاہیے۔ جبکہ سب پیامبر صلی اللہ والہ وسلم کو حیات میں پکارتے تھے اور سب قائل بھی ہیں کہ حیات میں پکارا جاسکتا ہے، اختلاف دنیا سے جانے کے بعد میں ہے۔

ب) مفہوم شرک و شفاعت کا شرک سے خارج ہونا

سب سے پہلے ہمارے لئے مفہوم شرک اور توحید کو سمجھنا ضروری ہے۔ شرک اس وقت لازم آتا ہے جب کسی چیز کی الوہیت و ربوبیت پیش نظر ہو اور کسی شخص یا چیز کو خدا سے مستقل دیکھا جائے۔ جب کہ ہمارا عقیدہ قطعاً یہ نہیں کہ ہم شفیعان کے لیے اس کے قائل ہوں کہ شفیعان ان کی بھی شفاعت کریں گئے جن سے اللہ راضی نہیں اور ان کے پاس خدا سے ہٹ کر مستقلا شفاعت کا ایک منصب ہے۔ یا خدا، شفیعان کو شفاعت کا منصب دے کر نعوذ باللہ خود بے نیاز ہو گیا ہے۔

ج) تمام مسلمانوں کا ایک دوسرے سے دعا طلب کرنا

دنیا میں موجود تمام مسلمان متفقہ طور پر دوسروں سے دعاء کی درخواست کو جائز سمجھتے ہیں، اور دوسروں سے درخواست کرتے بھی ہیں جبکہ سورہ جن کی آیت نمبر 18 کے مطابق، جس طرح شفاعت کے منکرین نے مفہوم لیا، کہ غیر اللہ کو نہ پکارو، تو اس میں دعا بھی آ جاتی ہے۔ لیکن عملاً سب مسلمان ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ دعا کرنا یا عربی میں "أُدعُلی"، (میرے لئے دعا کرنا)،

د) شفاعت کے عقیدے کا خدا کے اذن اور حکم سے ہونا

جب اللہ نے کہا کہ خدا کے حکم اور اذن سے دوسرے بھی شفاعت کر سکتے ہیں تو یہ بات ختم ہو جاتی ہے کہ کہ دوسرے نہیں کر سکتے۔ مثلا بقرہ 255، زمر 44 میں خدا نے کہا ہے کہ اس کے اذن سے دوسرے بھی شفاعت کریں گئے۔ خدا کی طرف شفاعت کا اذن رکھنے والے شفیعوں سے شفاعت کی درخواست کرنا بھی مُجاز ہے جس کے لئے درخواست کرتے وقت کہنا پڑے گا: "اِشْفَعْ لی عِندَ اللهِ" (درگاہ خداوندی میں میری شفاعت کرنا)۔

خداوند متعال گناہوں کی مغفرت و بخشش کی خاطر لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ رسول خدا ﷺ سے درخواست کریں کہ ان کے لئے طلب مغفرت کریں؛

"وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُواْ أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُواْ اللّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُواْ اللّهَ تَوَّاباً رَّحِيماً"۔ (30)

ترجمہ: "اور جب انہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی تھی، اگر آپ کے پاس آتے اور پھر اللہ سے بخشش طلب کرتے اور پیغمبر ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے تو اللہ کو پاتے بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان۔"

بعض لوگوں نے اس آیت کی یوں توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے: "انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم کی ذات کو اذیتیں پہنچائی تھیں اور ان پر آپ سے معافی مانگنا اور معذرت کرنا لازم تھا! لیکن اگر اسی آیت میں تھوڑا سے غور کیا جائے تو اس بات کی خطا کا پتہ چل جاتا ہے: "اگر رسول اکرم ﷺ کو اپنے حق سے گذرنا اور اذیت پہنچانے والوں سے درگذر کرنے کا مسئلہ درپیش ہوتا تو آیت میں خدا یہ فرماتا کہ "وَغَفَرَ لَهُمُ الرَّسولُ "اور رسول خدا نے انہیں بخش دیا) حالانکہ آیت میں ارشاد ہے :

"وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسولُ۔ ترجمہ: "اور رسول خدا نے ان کے لیے طلب مغفرت کی۔"

شفاعت صرف اللہ کے لئے مختص ہے، غیر اللہ کو حق شفاعت حاصل نہیں۔

منکرین شفاعت کا کہنا ہے کہ قرآن پاک نے شفاعت کو خدا کا حقّ خاص [اور امتیازی خصوصیت] قرار دیا ہے۔ قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعاً۔(31) " ترجمہ: کہئے کہ شفاعت پوری کی پوری اللہ کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ شفاعت کی درخواست صرف اور صرف اللہ تعالی کی ذات سے ہونی چاہئے۔

جواب :

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا کہ شفاعت کا مالک اصلی فقط خدا ہے دوسرے شفیع اگر شفاعت کریں گے تو وہ بھی اللہ کے حکم اور رضایت سے کریں گے۔ لیکن یہ حقیقت ہر گز انبیاء، اوصیاء اور معصومین علیہم السلام کے لئے حق شفاعت کے قائل ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ ان کی شفاعت مستقل نہیں ہے، بلکہ خدا کے اذن و مشیت سے مشروط ہے؛ جیسا کہ دوسرے امور و معاملات میں بھی یہی قاعدہ جاری و ساری ہے۔ خود اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے علاوہ دوسرے بھی شفاعت کریں گے۔

عقیدہ شفاعت، گناہ کی جرائت کا پیدا کرتا ہے!

عقیدہ شفاعت کے بعض منکر کہتے ہیں کہ عقیدہ شفاعت کے باعث انسان میں گناہ کی جرائت پیدا ہو جاتی ہے اور شفاعت کا عقیدہ گنہگاروں اور مجرمین میں سرکشی کی روح کو زندہ کرتا ہے؛ لہٰذا عقیدہ شفاعت اسلامی شریعت اور دیگر شرائع کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

جواب

الف) توبہ کا عقیدہ بھی عقیدہ شفاعت کی طرح ہے

توبہ کا عقیدہ بھی گناہوں کی بخشش کا سبب بنتا ہے اور توبہ سے بھی گناہوں کی طرف جرات ہو سکتی ہے۔ تو کیا ہم یہ عقیدہ بنالیں کہ توبہ کا عقیدہ شرعی نہیں؟ کیا ہم اپنے عقائد، ان کے نتائج دیکھ کر بناتے ہیں؟ ہر گز ایسا نہیں۔

ب) شفاعت کا مستحق ہونا

یہ اس صورت میں درست تھا کہ ہم کہیں کہ دنیا میں جو مرضی کرو شفاعت ہو جائے گی۔ جبکہ ہم نے بیان کیا کہ شفاعت کرنے والے کے لیے بھی شرائط ہوں گی اور جس کی شفاعت کی جاتی ہے اس کی کچھ شرائط ہیں۔ اس طرح تو الٹا انسان گناہوں سے دور ہو گا تا کہ شفاعت کا مستحق ہو۔ شفاعت کے فائدے میں

اس کی وضاحت بھی کی کہ شفاعت کا عقیدہ انسان کو خدا کے قریب کرتا ہے۔

خدا اور انسان کے درمیان واسطے کی ضرورت نہیں

منکرین شفاعت کا کہنا ہے کہ خداوند متعال انسان سے انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے۔ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (32) ترجمہ: " اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ " خداوند متعال اپنی مخلوقات پر سب سے زیادہ مہربان ہے، تو پھر ہم کیوں کسی اور کا سہارا لیں اور کیوں غیر اللہ سے کوئی درخواست کریں؟ کیونکہ اللہ فرماتا ہے۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (33) ترجمہ: " جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں۔ "

جواب:

الف) خدا کا وسیلہ قرار دینا اور انعام دینا

یہ صحیح ہے کہ خدا ہم سے ہماری رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے، لیکن خلقت بشر کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اللہ تعالی انسان کے ساتھ براہ راست گفتگو کرنے کی بجائے پیغمبروں کو ان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے اور اسی حکمت کا ہی تقاضا تھا کہ ان رسولوں اور ہادیوں کا رتبہ اور ان کی منزلت کو انسانوں کے نزدیک بلندی عطا کرے اور انہیں خطا و گناہ سے عصمت عطا کی تا کہ انسان ان کا اتباع کریں اور انہیں بعض ظاہری مراتب و مدارج بھی عطا فرمائے تا کہ لوگوں کے دلوں اور نظروں میں اللہ کے مراتب زیادہ سے زیادہ واضح و روشن ہوں اور ان کے قلوب اللہ کے ان نمائندوں کی جانب مائل ہوں۔ اسی طرح غیر اللہ سے عقیدہ شفاعت در حقیقت اللہ کے انعاموں میں سے ایک انعام ہے۔ جو خدا اپنے بندوں کو دکھانا چاہتا ہے۔

ب) خدا کا خود واسطہ کا اذن دینا اور واسطہ کو زیادہ موثر قرار دینا

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بعض مواقع پر اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی حاجات کے لئے ان افراد کو واسطہ قرار دیں تا کہ مطلوبہ نتیجے تک زیادہ بہتر انداز سے پہنچ سکیں؛ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں

نے اپنے والد کو واسطہ قرار دیا کہ وہ ان کے لئے طلب مغفرت کریں۔ قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ (34) ترجمہ: " ان لوگوں نے کہا بابا جان اب آپ ہمارے گناہوں کے لئے استغفار کریں ہم یقیناً خطاکار تھے"۔ یا خداوند متعال نے فرمایا کہ پیغمبر خاتم ﷺ کی دعا و استغفار لوگوں کے اپنے استغفار و دعا سے زیادہ مؤثر ہے؛ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (35) ترجمہ: "اور کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتا تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔"

اور لوگ مریضوں کی شفایابی اور ان کے مسائل حل کرنے کے لئے حضرت عیسیٰؑ سے رجوع کرتے تھے [اور وہ ان کی حاجت روائی کرتے تھے]۔ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (36) ترجمہ: " میں تمہارے لئے مٹی سے پرندہ کی شکل بناؤں گا اور اس میں کچھ دم کر دوں گا تو وہ حکمِ خدا سے پرندہ بن جائے گا اور میں پیدائشی اندھے اور مبروص کا علاج کروں گا اور حکمِ خدا سے مفدوں کو زندہ کروں گا اور تمہیں اس بات کی خبر دوں گا کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا گھر میں ذخیرہ کرتے ہو۔ ان سب میں تمہارے لئے نشانیاں ہیں اگر تم صاحبانِ ایمان ہو۔"

نتیجہ: چنانچہ انسان سے خدا کے قرب کے باوجود! گر افراد کی طرف سے اپنے اور خدا کے درمیان کسی کو واسطہ قرار دینے کا عمل غلط ہوتا تو خداوند متعال انہیں تنبیہ کرتا اور انہیں اس قسم کے عمل سے منع کرتا، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ خود ہی اس راہ کو پسندیدہ راستہ اور اس عمل کو مقبول عمل قرار دیتا۔

شفاعت دنیاوی امور میں ہے جب کہ آخرت میں غیر اللہ سے شفاعت کا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔

منکرین شفاعت بعض دفعہ یہ شبہ ڈالتے ہیں کہ دنیا میں تو اسباب جائز ہیں لیکن امور آخرت میں ایسا عقیدہ درست نہیں۔

جواب:

خود آیات قرآن میں قیامت کے دن، غیر اللہ کی شفاعت کو اذن خدا کے ساتھ بیان کی گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ شرک ایک مفہوم عقلی ہے۔ دنیا اور آخرت میں مشرکانہ عقیدے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بعض امور آخرت میں شرک ہوں اور بعض دنیا میں، ممکن ہے کہا جائے کہ جب خدا حکم دے تو شرک زائل ہو جاتا ہے اس کا جواب بھی وہی ہے۔ شرک ایک مفہوم عقلی ہے خدا کہ حکم دینے سے وہ مفہوم زائل نہیں ہوتا، پس ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اصل شفاعت شرک ہے یا نہیں؟ ان کا جواب ہو گا نہیں۔ یہی ہمارا مطلوب ہے۔ اگر کہیں اصل میں شرک ہے، لیکن خدا کے دنیا میں جائز قرار دینے سے شرک نہیں رہتا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ہمارے ہاتھ میں نہیں کہ ہم تشخیص دیں کیا شرک ہے اور کیا شرک نہیں؟ اگر ایسا ہے تو آپ کو حق نہیں کہ ہر چیز کو شرک کہیں بلکہ خدا پر چھوڑ وہ کیا کہتا ہے۔ عقائد میں دنیا اور آخرت کی تقسیم آپ نے کی ہے خدا نے نہیں کی۔۔۔ دنیا میں انسان مشرک رہے خدا اسے اجازت دے دے اور آخرت کے بارے میں کہے شرک آخرت کے معاملے میں ممنوع ہے، یہ یہ عقلا درست ہے؟

عقیدہ شفاعت خدا کے عادل ہونے کی نفی کرتا ہے!

منکرین شفاعت ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ عقیدہ شفاعت عقاب اور سزا کے خاتمے کا سبب بنتا ہے اور شفاعت کے ذریعے سزا کا خاتمہ عدل کے منافی ہے۔ اگر یہ عدل ہے تو پھر اللہ کی جانب سے عقاب و سزا (معاذاللہ) ظلم کے زمرے میں آئے گا؛ اور اگر ظلم ہے اور عِقاب و سزا کا ہونا عدل ہے تو پھر شافعین کی شفاعت اور ان کی طرف سے عِقاب اور سزا کے خاتمے کے لئے ہونے والا کوئی بھی اقدام ظلم ہو گا۔

جواب :

عِقاب کا خاتم" شفاعت کے ذریعے خدا کا فضل ہے۔ ظلم و عدل جیسے دو عناوین اس پر صادق نہیں آتے۔ اگر خدا دقیق عدل کرے تو شاید کوئی بھی شخص جنت کا مستحق نہ ہو۔ اس پر احادیث موجود ہیں۔ خدا جس طرح دنیا میں انسان کے بہت سے گناہوں کے باوجود مختلف بہانوں سے انسان کی بخشش کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح آخرت میں بھی خدا اپنی رحمت اور فضل کے ساتھ عدل سے بالاتر ہو کر انسانوں کی بخشش کے اسباب فراہم کرے گا۔ جس طرح خدا اپنے بندوں کو بھی حکم دیتا ہے کہ عدل کریں۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ"۔ (37)

ترجمہ: "بلاشبہ اللہ عدالت، حسن سلوک [اور نیکی واحسان] کا حکم دیتا ہے۔"

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُواْ بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ" (38)

ترجمہ: "اور اگر تم لوگ سزا دو تو ویسی ہی جیسی تمہیں سزا دی گئی تھی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔"

اب اگر کوئی بندہ کسی دوسرے کی بدی کو بخش دے تو قطعاً کوئی اسے ظلم نہیں کہے گا چونکہ اس نے عدل نہیں کیا۔ اسی طرح خدا نے بھی عدل سے بالاتر ہو کر شفاعت کو انسان کی بخشش کا ذریعہ بنایا ہے جسے ظلم نہیں کہا جا سکتا۔ خداوند تعالی سورہ نساء کی آیت نمبر ۴۸ میں فرماتا ہے۔ کہ شرک کے علاوہ خدا جسے چاہے گا بخش دے گا۔ تو کیا یہ عدل ہے یا ظلم؟ شرک کے علاوہ بھی تو گناہان کبیرہ ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَالِكَ لِمَن يَشَاء۔

ترجمہ: "اللہ اس بات کو معاف نہیں کر سکتا کہ اس کا شریک قرار دیا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش سکتا ہے۔"

*****

حوالہ جات

1۔فراہیدی، خلیل ابن احمد، العین ج ا ص 260
2۔اصفہانی، حسین بن محمد راغب، مفردات الفاظ قرآن، ص ۴۵۷
3۔ابن منظو ابوالفضل، جمال الدین، لسان العرب، ذیل مادہ شفع
4۔ابوالحسین، احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقائیس اللغہ، ج ۳ ص ۲۰۱
5۔مصطفوی، حسن، التحقیق، ج ٦ ص ۸۲
6۔علم الھدی، محمد باقر، شفاعت، ج ا، ص 43
7۔، عبداللہ، جوادی عاملی، تفسیر تسنیم، ج ۴، ص 262، نشر اسراء قم
8۔ایضاج 4، ص 262
9۔ایضا۔
10۔بقرہ 48
11۔بقرہ 123
12۔بقرہ 254
13۔انعام 51
14۔انعام 70
15۔سجدہ 4
16۔زمر 44
17۔بقرہ 255
18۔اعراف 53
19۔ سبا 23
20۔انبیاء 28
21۔مریم 87
22۔طہ 109
23۔زخرف 86
24۔کتاب توحید، باب ۲۴، ص ۳۹۲، ح ۷۴۳۹
25۔معاد در قرآن ج ۲ ص ۱۴۵
26۔یونس 18
27۔انبیاء 28
28۔جن 18
29۔محمد غزالی، احیاء العلوم، 169
30۔نساء 64
31۔ زمر 44
32۔ق 15
33۔بقرہ 186
34۔یوسف 97
35۔نساء 64
36۔آل عمران 49
37۔ نحل ۹۷
38۔ نحل 126

اسلام میں وقف کی اہمیت اور فضیلت

سید رمیز الحسن موسوی*
srhm2000@yahoo.com

کلیدی کلمات: وقف، احسان، صدقہ، نیکی، حوائط سبعہ، عمل صالح، موقوفات

خلاصہ:

دین اسلام میں وقف امضائی احکام میں سے ہے کیونکہ وقف کی رسم اسلام سے پہلے بھی مختلف اقوام میں مختلف شکلوں میں جاری تھی۔ قرآن میں کلمہ وقف موجود نہیں، لیکن عمل صالح، تالیف قلوب، تعاون، نیکی واحسان سے متعلق بعض آیات، وقف کا مصداق بن سکتی ہیں۔ اسی طرح رسول اللہؐ اور ائمہ معصومینؑ کی سیرت اور قول و فعل سے بھی وقف کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے جس کو سامنے رکھتے ہوئے فقہا نے وقف سے متعلق بہت سے احکام ذکر کئے ہیں۔ اسلام میں سب سے پہلا وقف خود پیغمبر اکرمؐ نے مخریق نامی نو مسلم شخص کے باغات کی صورت میں کیا تھا۔ اس کے بعد اہل بیت اطہارؑ میں سے امام علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور دوسرے ائمہ اہل بیتؑ کے بہت سے موقوفات کا تذکرہ تاریخ میں ملتا ہے۔ اسی طرح کتب حدیث میں بھی وقف سے متعلق احادیث اور احکام نقل ہوئے ہیں جو فقہ اسلامی میں وقف کے مقام کو واضح کرتے ہیں۔ اس مقالہ میں وقف کی اہمیت اور فضیلت کو رسول اللہؐ اور ائمہ اہل بیتؑ کی سیرت اور اقوال کی روشنی میں اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

*۔ ڈائریکٹر نمت، نور الہدیٰ ٹرسٹ، بارہ کہو، اسلام آباد۔

تمہید

وقف کی رسم اسلام سے پہلے بھی موجود تھی اور دوسرے ادیان میں بھی اس پر عمل ہوتا تھا۔ درحقیقت آسمانی کتب میں ہی وقف کی اصطلاح استعمال نہیں ہوئی، بلکہ اس نیک کام کا جذبہ انسان کی خداپسندانہ فطرت میں پایا جاتا ہے۔ لہٰذا تاریخ کے ہر دور میں انسان یہ نیکی انجام دیتے رہے ہیں۔ دین اسلام نے وقف کی رسم کو قبول کیا ہے، اسی لئے لوگوں کو اس کی طرف راغب کرنے کے لئے بہت سی احادیث اور روایات ذکر ہوئی ہیں۔ جن میں وقف کرنے والوں کے لئے بہت زیادہ اجروثواب بیان ہوا ہے۔ لیکن وقف سے متعلق سب احادیث میں کلمہ وقف استعمال نہیں ہوا۔ اسی طرح قرآن مجید میں بھی براہ راست وقف کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ لہٰذا وقف کو دین اسلام کے امضائی احکام میں سے قرار دیا جاتا ہے یعنی جو احکام پہلے سے موجود تھے اور اسلام نے بھی اُن کو مختصر سی تبدیلی کے ساتھ جاری رکھا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ اور ائمہ اطہار علیہم السلام نے وقف کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے، جس کی وجہ سے فقہ میں بھی وقف کو مختلف شکلوں میں پیش کیا گیا ہے اور اس کے احکام ذکر ہوئے ہیں۔

وقف کی اہمیت کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں آیت اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں: ''وقف ایک اہم اسلامی سنّت ہے، جو پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے سے جاری رہی ہے، اور پھر یہ سنت اور روش ائمہ معصومین علیہم السلام کے دور میں بھی خصوصی توجہات کا مرکز رہی ہے۔ اسلامی روایات میں اس کے متعلق بہت زیادہ تاکید ملتی ہے، تاریخ اسلام کے مطابق، وقف کے ذریعہ بڑے اہم کام انجام دیئے گئے ہیں اور بہت سے تعلیمی ادارے، اسپتال، دینی مدارس اور رفاہ عامہ کے لئے بہت سے اچھے کام اس کے ذریعہ انجام پائے ہیں، پوری دنیا کے مسلمانوں نے وقف کی برکتوں سے فائدہ اٹھایا ہے اور ابھی بھی فائدہ حاصل کررہے ہیں، امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث ہے: کسی نے امام (علیہ السلام) سے دریافت کیا کہ مرنے کے بعد انسان تک کیا چیز پہنچ سکتی ہے؟ امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اگر انسان لوگوں کے درمیان نیک

سنّت چھوڑجائے، جو شخص بھی اس سنت پر عمل کرے گا اس کا اجر وثواب اس کو بھی حاصل ہوگا، بغیر اس کے کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کے اجرو ثواب میں کمی واقع ہو، دوسرے یہ کہ اپنی یادگار کے لئے، صدقہ (وقف) جاریہ، چھوڑجائے کہ جس کی برکتیں اور اثرات باقی رہیں اور یہ صدقہ جاریہ، دوسرے عالم یعنی آخرت میں، اس کے لئے باعث نجات ہوگا، ٹھیک ہے کہ بعض ناآگاہ اور بےایمان لوگوں کے وقف سے غلط استفادہ کرنے کی وجہ سے، وہ دوسرے لوگوں کی نظر میں موقوفات کا چہرہ خراب کررہے ہیں، لیکن ہمیں اجازت نہیں دیناچاہیے کہ اس اسلامی، عظیم اور بابرکت سنت کو، جس کے ہزاروں فائدے اور ثمرات، تاریخ میں ظاہر ہوئے ہیں، نااہلوں کے غلط استفادہ کی وجہ سے بھُلادیا جائے بلکہ غلط استفادہ کرنے سے روک تھام کرنا چاہیے اور یہ کام بالکل ممکن ہے، بہت سی مسجدیں، درسگاہیں، تعلیمی ادارے اور خصوصاً ائمہ اطہار علیہم السلام کے مقدس روضوں کی تعمیر اور ان کا آباد رہنا، اسی وقف اور موقوفہ چیزوں کی برکت سے ہے، آج کے دور میں اس اسلامی سنت حسنہ کو اور زیادہ اہمیت دی جائے، خصوصاً تعلیمی اور ثقافتی اداروں کے لئے اس سے استفادہ کیا جائے، یقینا جو بھی عالم اور دانشمند اس طرح کے اداروں سے تعلیم حاصل کرکے نکلے گا اور وہ جو بھی خدمات انجام دے گا، اس کا فائدہ دنیا وآخرت میں وقف کرنے والوں کو پہنچے گا۔(1)

وقف کی تعریف

امامیہ فقہا نے وقف کی جو تعریف کی ہے اس کا سرچشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے جس میں آپؐ نے فرمایاہے: "حبس الاصل و سبل الثمرة" (2) یعنی اصل کو باقی اور اس کا ثمرہ ونتیجہ جاری رکھو۔ کتاب دررالئالی میں اس مضمون کی حدیث نقل ہوئی ہے: "انشئت حبست اصله و سبلت ثمرتها" یعنی اصل کو باقی رکھو اس کے نتیجے اور پھل کو جاری کردو۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں اس طرح آیا ہے: "تحبیس الاصل و اطلاق المنفعه" (3) یعنی: وقف اصل کو باقی رکھنا اور اس کے ثمرہ اور پھل کو آزاد کرنا ہے۔

امام خمینیؒ تحریر الوسیلہ میں لکھتے ہیں: ”و هو تحبيس العين و تسبيل المنفعة. و فيه فضل كثير و ثواب جزيل، ففي الصحيح عن أبي عبد اللّه عليه السلام قال: «ليس يتبع الرجلَ بعد موته من الأجر إلّا ثلاث خصال: صدقة أجراها في حياته فهي تجري بعد موته، و سُنّة هدىً سَنّها فهي يعمل بها بعد موته، و ولد صالح يدعوله“ یعنی؛ اصل شئے کو محبوس و محدود کرکے اس کا نفع عام کرنے کو وقف کہتے ہیں۔ وقف کی بڑی فضیلت اور ثواب ہے، صحیح سند کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے لئے تین چیزیں بہت مفید ہیں: ایک وہ صدقہ جسے اپنی زندگی میں جاری کیا ہو اور اس کا سلسلہ اس کی موت کے بعد بھی جاری رہے، دوسرا ہدایت کی ایسی راہ دکھائی ہو جس پر اس کی موت کے بعد بھی عمل ہوتا ہو، تیسرا ایسا نیک فرزند جو اس کے لئے دعا کرے۔(4)

اہل سنت فقہا نے اسی سے ملتا جلتا وقف کا شرعی مفہوم ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ مولانا شیخ نعمان ماہنامہ شریعہ میں لکھتے ہیں: ”وقف کا مطلب ہے: اپنی ملکیت کسی نیک مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں دینا تاکہ وہ ہمیشہ اسی مقصد میں استعمال ہوتی رہے۔“

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی صاحب وقف کی لغوی اور شرعی تعریف ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”وقف لغت میں روکنے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح شرع میں وقف کہتے ہیں: کسی شئی کو اپنی ملکیت سے نکال کر اس طرح محبوس کرنا کہ اصل شئی باقی رکھتے ہوئے اس سے انتفاع کیا جاسکے یعنی اصل شئی محفوظ رہے اور اس کے منافع کو واقف کی صراحت کے مطابق صرف کیا جائے۔

امام ابو حنیفہ کے دونوں شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد نے وقف کی شرعی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ”(وعندهما هو حبسها على) حكم (ملك الله تعالى و صرف منفعتها على من احب) ولو غنيا“۔(5)

یعنی: ” وقف شی کو اللہ کی ملکیت میں محبوس کرنا اور اس کی منفعت واقف کی مرضی کے مطابق خرچ کرنا ہے اگرچہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔“

امام ابو حنیفہ چونکہ عام حالات میں وقف کے لزوم کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آرہی ہے اس لئے وہ وقف کی شرعی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

(هو)لغة الحبس وشرعا(حبس العين على)حكم(ملك الواقف والتصدق بالمنفعة)و لو فی الجملة"۔یعنی "اصل شی کو واقف کی ملکیت میں باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع کا صدقہ کرنا ہے یہ صدقہ کسی بھی درجہ میں ہو مثلاً اپنے اہل وعیال پر وقف ہو، اس کے بعد فقرا ومساکین پر یا مالداروں پر۔"(6)

اسلام میں پہلا وقف

ابن ہشام لکھتے ہیں: ''اسلام میں سب سے پہلا موقوفہ ''مخیّریق'' کی زمینیں تھیں کہ جن کو اس نے وصیت کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں دے دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں وقف کر دیا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ مخیّریق نامی شخص مدینہ میں اہل کتاب کے علماء میں سے تھا۔ وہ ایک مالدار انسان تھا اور رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت کرتا تھا۔ لہٰذا جب ہفتے کے دن جنگ اُحد شروع ہوئی تو اس نے یہودیوں سے کہا: آپ لوگ جانتے ہیں حضرت محمد ﷺ کی مدد کرنا آپ لوگوں پر لازم ہے لہٰذا اُٹھو اور ان کی مدد کرو۔ اُنھوں نے جواب میں کہا: آج ہفتے کا دن ہے اور ہمارے عقیدے کے مطابق آج ہمیں کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔ مخیّریق نے کہا: تمہارا کوئی ہفتہ نہیں ہے، اس نے خود اسلحہ اُٹھایا اور رسول اللہ ﷺ کی مدد کے لئے اُحد کی جانب چل پڑا۔ اس نے چلنے سے پہلے اپنے رشتہ داروں کو وصیت کی: اگر آج میں قتل ہو گیا تو میرا تمام ترکہ محمد ﷺ کے اختیار میں دے دیا جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ہدایت کے مطابق جس راستے میں بھی صلاح ہو گی صرف کریں گے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے خلاف لڑنا شروع کر دیا اور اسی جنگ میں وہ قتل ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ترکے کو قبول کرکے وقف کر دیا۔ اس کا چھوڑا ہوا ترکہ اور جائیداد سات نخلستان تھے جو ''حوائط سبعہ'' کے نام سے مشہور تھے۔(7)

اس لئے اسلام میں پہلا وقف پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف سے تھا کہ جس میں آپؐ نے مخیّریق کی جائیداد کو وقف کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے بھی بہت سے نخلستان آباد کرنے کے بعد وقف کئے تھے۔ اسی طرح بہت سے کنویں اور نہریں بھی کھود کر مسلمانوں کے مختلف مصارف کے

لئے وقف کی تھیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے انفال کی زمین سے ایک زمین حضرت علی علیہ السلام کو عطا کی تھی جس میں امام علیہ السلام نے ایک نہر کھودی جس سے پانی اونٹ کی گردن کی مانند فوارے کی صورت میں نکلتا تھا۔ امام علیہ السلام نے اس جگہ کا نام "ینبع" رکھا اور نہر کو خانہ خدا کے زائرین کے لئے وقف کر دیا۔(8)

قرآن میں وقف

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کہ قرآن میں کلمہ وقف استعمال نہیں ہوا۔ لیکن صدقہ، خیر، بر، انفاق، احسان جیسے کلمات قرآن میں ذکر ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک عنوان وقف کا بھی مصداق بن سکتا ہے۔ کیونکہ وقف صدقہ بھی ہے اور بر و نیکی بھی۔ ان سب عناوین اور وقف کے درمیان عام وخاص مطلق کی نسبت ہے اور وقف ایک خاص عنوان کہلاتا ہے۔ لہٰذا علمائے اسلام نے قرآن مجید میں ذکر ہونے والے بعض اخلاقی مفاہیم کی کلیت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وقف بھی قرآن کے تائید شدہ مفاہیم میں سے ہے۔ چونکہ قرآن مجید میں ہمیشہ نیک اور صالح اعمال کی مدح کی گئی ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وقف کی روح قرآن مجید میں موجود ہے۔ یہاں چند ایسی آیات ذکر کی جاتی ہیں جن میں مفہوم وقف کی تائید ملتی ہے۔

۱۔ وقف؛ سب سے بڑی نیکی

وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلاً۔(9) یعنی: "اور (حقیقت میں) باقی رہنے والی (تو) نیکیاں (ہیں جو) آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے (بھی) بہتر ہیں اور آرزو کے لحاظ سے (بھی) خوب تر ہیں۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ عام لوگوں کے لئے کوئی چیز وقف کرنا سب سے بڑی نیکی کا مصداق ہے جو سب سے بڑا ثواب ہے۔

۲۔ وقف کے ذریعے محبوب ترین چیزوں کا راہ خدا میں دینا

لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ۔(10) یعنی: "تم ہر گز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔"

یہ آیت بھی وقف کے مصادیق میں سے شمار ہو سکتی ہے چونکہ انسان جب وقف کرتا ہے تو اس میں اپنی پسندیدہ چیز اور مال ہی راہ خدا میں خرچ کرتا ہے اور اس کا سود اور منافع لوگوں کے لئے مختص کر دیتا ہے۔

۳۔ وقف کے ذریعے بھلائی اور نیکی کا اجر پانا

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا (11) یعنی: "اور جو بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اُسے اللہ کے حضور بہتر اور اَجر میں بزرگ تر پا لوگے۔"

۴۔ اصلی نیکی

لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ۔ (12) یعنی: "نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے۔"

حدیث میں وقف

اسلامی معارف اور احکام کا دوسرا بڑا سرچشمہ سنت ہے، جس کی حکایت قول، فعل اور تقریر پیغمبر ﷺ سے ہوتی ہے۔ جس کی شیعہ فقہا کے نزدیک اس طرح تعریف کی جاتی ہے: قول، فعل اور تقریر معصوم کا نام سنت ہے اور معصوم سے پیغمبر اسلام ﷺ اور اُن کے برحق ۱۲ جانشین مراد ہیں۔ سنت کی یہ تعریف اپنے مقام پر ثابت ہے۔ (13) سنت رسول اور ائمہ اطہار علیہم السلام میں قولاً و عملاً وقف کی بہت زیادہ اہمیت نظر آتی ہے جس کو واضح کرنے کے لئے شیعہ کتب حدیث سے چند عناوین کے تحت کچھ احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ موت کے بعد انسان کے لئے وقف کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ ''اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث؛ ولد صالح یدعوله بالخیر و علم ینتفع به و صدقة جاریة''(14) یعنی: ''انسان کے مرنے کے ساتھ اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، لیکن تین کام باقی رہتے ہیں: ایک نیک اولاد کہ جو نیکی کی طرف دعوت دے۔ دوم: ایسا علم کہ جس سے دوسرے بہرہ مند ہوں اور سوم: صدقہ جاریہ''۔

لہٰذا علماء کے نزدیک وقف صدقہ جاریہ کا بہترین مصداق سمجھا جاتا ہے۔ یہ حدیث اہل سنت کے منابع میں بھی نقل ہوئی ہے۔ اسی مضمون کی ایک اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

ان مما یلحق المؤمن من عمله و حسناته بعد موته علما نشرہ و ولدا صالحا ترکه، و مصحفا ورثه او مسجدا بناہ. او بیتا لابن السبیل بناہ او نهرا اجراہ، او صدقة اخرجها من ماله فی صحته و حیاته و تلحقه من بعد موته۔ (15)

یعنی: ''مؤمن کے علم اور نیکیوں میں سے چند چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا اجر مؤمن کی موت کے بعد اُسے ملتا ہے۔ ایسا علم جو اپنے بعد چھوڑا ہے، نیک فرزند، وہ قرآن جو اس نے بطور ارث چھوڑا ہو، اسی طرح وہ مسجد جو اس نے اپنی زندگی میں بنائی ہو اور پھر مسافروں کے لئے وہ گھر جو اس نے کسی راستے میں تعمیر کیا ہو اور وہ نہر جو اس نے جاری کی ہو اور اپنی زندگی اور صحت کے زمانے میں اپنے مال سے جو صدقہ نکالا ہو۔ یہ سب چیزیں اس کی موت کے بعد اس سے ملحق ہو جاتی ہیں۔''

۳۔ وقف کرنے والوں کے لئے رحمت

پیامبر اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا: ''الجنّه لکلّ تائب و الرّحمه لکلّ واقف؛ ''۔یعنی: ''جنت توبہ کرنے والوں کے لئے ہے اور وقف کرنے والوں کے لئے رحمت ہے۔'' (16)

۴۔ وقف؛ ذخیرہ آخرت

امام علی علیہ السّلام نے فرمایا: ''اَلصَّدَقَةُ وَالْحَبسُ ذَخیرَتانِ فَدَعُوهُما لِیَومِهِما'' یعنی: ''صدقہ اور وقف دو ایسے ذخیرے ہیں کہ جنہیں روز قیامت کے لئے جمع رکھو۔'' (17)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے وقف

ایک وقف نامے میں امام علی علیہ السلام نے وقف کرنے کی وجہ یوں بیان کی ہے: قال الامام علی: ابتغاء وجه الله لیولجنی الله به الجنة و یصرفنی عن النار و یصرف النار عن وجهی یوم تبیض وجوه و تسود وجوه۔ یعنی: ''میں نے صرف اللہ کی خوشنودی کی خاطر وقف کیا ہے تاکہ اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ مجھے بہشت نصیب کرے اور آتشِ جہنم سے مجھے دور رکھے، اور آتش کو بھی مجھ سے دور رکھے، جس دن بعض لوگوں کے چہرے تابناک ہوں گے اس کے برعکس بعض کے چہرے سیاہ ہوں گے۔'' (18)

۶۔ عزاداری معصومینؑ کے لئے وقف

مہران ابن محمد نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے: امام صادقؑ نے اپنے آخری ایام میں اپنی وصیّت میں فرمایا: عن محمد بن مهران قال سمعت اباعبدالله(ع): اوصی ان یناح علیه سبعة مواسم فاوقف لکل موسم مالا ینفق۔ یعنی: ''میری رحلت کے بعد ایام حج میں سات سال تک میرے لئے عزاداری کا اہتمام کیا جائے اور امامؑ نے ہر سال کے لئے کچھ مال وقف کیا تاکہ اس سے خرچ کیا جاسکے۔'' (19)

اسی طرح ایک اور روایت کے مطابق امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا: ''قالَ لی اَبی : یا جَعْفَرُ! اَوْقِفْ لی مِنْ مالی کَذا و کذا النّوادِبَ تَنْدُبُنی عَشْرَ سِنینَ بِمِنی اَیّامَ مِنی ؛'' ۔یعنی: ''میرے

والد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے جعفر! میرے مال میں سے اتنا مال نوحہ خوانی کے لئے وقف کرو کہ جس سے دس سال تک میرے اوپر نوحہ خوانی اور عزاداری کی جاسکے۔" (20)

۷۔زمین کا اللہ کے بندوں کے لئے وقف ہونا

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں: ان الأرض لله تعالى جعلها وقفا على عباده۔ یعنی: "بے شک تمام زمین اللہ کی ملکیت میں ہے اور اللہ نے اسے اپنے بندوں پر وقف کر چکا ہے"۔(21)

۸۔مال کا نفع وقف کرنے کا حکم

سنن نسائی کی ایک حدیث میں ہے:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْخَلَنْجِيُّ بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ عُمَرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَصَبْتُ مَالًا لَمْ أُصِبْ مِثْلَهُ قَطُّ كَانَ لِي مِائَةُ رَأْسٍ فَاشْتَرَيْتُ بِهَا مِائَةَ سَهْمٍ مِنْ خَيْبَرَ مِنْ أَهْلِهَا وَإِنِّي قَدْ أَرَدْتُ أَنْ أَتَقَرَّبَ بِهَا إِلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ قَالَ فَاحْبِسْ أَصْلَهَا وَسَبِّلْ الثَّمَرَةَ۔ (22)

یعنی: "محمد بن عبد اللہ، سفیان، عبیداللہ بن عمر، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس قسم کی دولت مل گئی ہے کہ آج تک اس قسم کا مال و دولت کبھی حاصل نہیں ہوا۔ میرے پاس سو اونٹ وغیرہ تھے جن کو دے کر میں نے اہل عرب سے کچھ زمین خریدی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس سے اللہ کا تقرب حاصل کروں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زمین کو اپنے پاس رکھو اور اس کے منافع کو اللہ کے راستہ میں وقف کر دو۔"

اہل بیت اطہارؑ کی عملی سیرت میں وقف کا مقام

پیغمبر اکرم ﷺ کی عملی سیرت کو دیکھا جائے تو آپؐ دوسرے نیک کاموں کی طرح اس نیک عمل میں بھی سب پر مقدم نظر آتے ہیں۔ چونکہ آپؐ معلم بشریت تھے جیسا کہ تاریخ میں آیا ہے کہ آپؐ نے ایک زمین وقف کی اور اس کا منافع ابن السبیل کے لئے خاص کر دیا تھا۔ اسی طرح پہلے نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ''مخیّریق'' نامی یہودی کی زمین اور باغوں کو وقف عام کر دیا تھا۔

پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد آپؐ کے برحق جانشینوں نے بھی اپنے اپنے طور پر اس سنت حسنہ پر عمل کیا ہے اور بہت سے وقف کئے ہیں جو کتب سیرت میں مذکور ہیں۔ یہاں سیرت معصومین علیہم السلام سے چند روایات نقل کی جاتی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ ان ذوات مقدسہ کی حیات طیبہ میں وقف کا کیا مقام ہے اور ان ذوات مقدسہ نے اللہ کی راہ میں وقف جیسے معاشی وسیلے کے ذریعے کس طرح انسانیت کی خدمت کی ہے اور اپنے پیروکاروں کو اپنے قول و عمل کے ذریعے اس سنت حسنہ کی طرف راغب کیا ہے۔

۱۔ امام علی علیہ السلام کے موقوفات

نہج البلاغہ کے مکتوب نمبر ۲۴ میں ہے کہ صفین سے واپسی پر اپنے اوقاف کے بارے میں حضرت امام علی علیہ السلام ایک وصیت میں لکھتے ہیں:

'' هَذَا مَا أَمَرَبِهِ عَبْدُ اللَّهِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ فِي مَالِهِ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ لِيُولِجَهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَيُعْطِيَهُ بِهِ الْأَمَنَةَ: مِنْهَا فَإِنَّهُ يَقُومُ بِذَلِكَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ يَأْكُلُ مِنْهُ بِالْمَعْرُوفِ وَيُنْفِقُ مِنْهُ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ حَدَثَ بِحَسَنٍ حَدَثٌ وَحُسَيْنٌ حَيٌّ قَامَ بِالْأَمْرِ بَعْدَهُ وَأَصْدَرَهُ مَصْدَرَهُ وَإِنَّ لِابْنَيْ فَاطِمَةَ مِنْ صَدَقَةِ عَلِيٍّ مِثْلَ الَّذِي لِبَنِي عَلِيٍّ وَإِنِّي إِنَّمَا جَعَلْتُ الْقِيَامَ بِذَلِكَ إِلَى ابْنَيْ فَاطِمَةَ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَقُرْبَةً إِلَى رَسُولِ اللَّهِ (ص) وَتَكْرِيماً لِحُرْمَتِهِ وَتَشْرِيفاً لِوُصْلَتِهِ وَيَشْتَرِطُ عَلَى الَّذِي يَجْعَلُهُ إِلَيْهِ أَنْ يَتْرُكَ الْمَالَ عَلَى أُصُولِهِ وَيُنْفِقَ مِنْ ثَمَرِهِ حَيْثُ أُمِرَبِهِ وَهُدِيَ لَهُ وَأَلَّا يَبِيعَ مِنْ أَوْلَادِ نَخِيلِ هَذِهِ الْقُرَى وَدِيَّةً حَتَّى تُشْكِلَ أَرْضُهَا غِرَاساً وَمَنْ كَانَ مِنْ إِمَائِي

اللَّاتِي أَطُوفُ عَلَيْهِنَ لَهَا وَلَدٌ أَوْ هِيَ حَامِلٌ فَتُمْسَكُ عَلَى وَلَدِهَا وَ هِيَ مِنْ حَظِّهِ فَإِنْ مَاتَ وَلَدُهَا وَ هِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ عَتِيقَةٌ قَدْ أَفْرَجَ عَنْهَا الرِّقُّ وَ حَرَّرَهَا الْعِتْقُ۔ "

یعنی: "یہ وہ حکم ہے جو خدا کے بندے امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ نے اپنے اموال (اوقاف) کے بارے میں دیا ہے محض اللہ کی رضاجوئی کے لئے تاکہ وہ اس کی وجہ سے مجھے جنت میں داخل کرے اور امن و آشتی عطافرمائے۔اس وصیت کا ایک حصہ یہ ہے: حسن ابن علیؑ اس کے متولی ہوں گے جو اس مال سے مناسب طریقہ پر روزی لیں گے اور اُمور خیر میں صرف کریں گے۔ اگر حسنؑ کو کچھ ہو جائے اور حسینؑ زندہ ہوں، تو وہ اُن کے بعد اس کو سنبھالیں گے اور انہی کی راہ پر چلائیں گے۔ علیؑ کے اوقاف میں جتنا حصہ فرزندان علیؑ کا ہے، اُتنا ہی اولاد فاطمہؑ کا ہے۔ بیشک میں نے صرف اللہ کی رضا مندی، رسول کے تقرب، اُن کی عزت و حرمت کے اعزاز اور ان کی قرابت کے احترام کے پیش نظر اس کی تولیت فاطمہؑ کے دونوں فرزندوں سے مخصوص کی ہے۔ اور جو اس جائیداد کا متولی ہو اُس پر پابندی عائد ہوگی کہ وہ مال کو اس کی اصلی حالت پر رہنے دے اور اس کے پھلوں کو ان مصارف میں جن کی ہدایت کی گئی ہے تصرف میں لائے اور یہ کہ وہ ان دیہاتوں کے نخلستانوں کی نئی پود کو فروخت نہ کرے۔ یہاں تک کہ ان دیہاتوں کی زمین کا ان نئے درختوں کے جم جانے سے عالم ہی دوسرا ہو جائے اور وہ کنیزیں جو میرے تصرف میں ہیں اُن میں سے جس کی گود میں بچہ ہے یا پیٹ میں ہے تو وہ بچے کے حق میں روک لی جائے گی اور اس کے حصے میں شمار ہوگی۔ پھر اگر بچہ مر بھی جائے اور وہ زندہ ہو تو بھی وہ آزاد ہوگی اس سے غلامی چھٹ جائے گی اور آزادی اُسے حاصل ہو چکی ہے۔"(23)

کتاب وسائل الشیعہ ج ۱۳ میں یہ روایت قدرے تفصیل کے ساتھ اس طرح نقل ہوئی ہے:

"عبدالرحمٰن بن الحجاج بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے حضرت امیر علیہ السلام کا یہ وصیت نامہ میرے پاس بھیجا جس کا مطلب خیز ترجمہ یہ ہے کہ یہ وہ وصیت نامہ جو خدا کے بندہ علی (علیہ السلام) نے اپنے اموال (اوقاف) کے بارے میں

خدا کی خوشنودی کی خاطر کیا ہے تاکہ وہ اس دن جس دن کچھ چہرے سفید اور کچھ سیاہ ہوں گے (قیامت کے دن) جنت میں داخل کرے اور جہنم سے بچائے میری جو جائیداد ''ینبع'' کے مقام پر ہے اور اس کے ارد گرد ہے وہ سب وقف (علیٰ الولاد) ہے اور و غلام وہاں ہیں وہ سب آزاد ہیں سوائے ابوریاح، ابونیزر اور جبیر کے البتہ یہ بدستور میرے غلام ہیں پانچ سال تک وہاں کام کریں گے اوران کا اور ان کے اہل وعیال کا خرچ خوراک اسی جائیداد کی آمدنی سے برداشت کیاجائے گا اور میری جوجائیداد مقام وادی القریٰ میں ہے وہ اولاد فاطمہ کا مال ہے اور وہاں کے غلام صدقہ (وقف) ہیں اور میری جو جائیداد بمقام ذعہ (ریمہ) میں ہے وہ بھی وقف ہے اور وہاں والے غلام بھی وقف ہیں سوائے زریق کے اس کے لئے وہی حکم ہے جواس کے دوسرے اصحاب (ینبع والوں) کے لئے تھا اور میری جو جائیداد مقام اذینہ میں ہے وہ اور وہاں والے غلام سب وقف ہیں اوریہی حکم مقام قصیرہ کاہے کہ وہ بھی فی سبیل اللہ صدقہ ہے۔

یہ جوکچھ میں نے اپنے اموال کے بارے میں لکھا ہے یہ میری زندگی میں اور میری وفات کے بعدسب خدا کی خوشنودی کی خاطرفی سبیل اللہ (ہرکارخیر میں صرف کرنے کے لئے) بنی ہاشم اوربنی المطلب میں سے قرابت داروں کی صلہ رحمی کے لئے بالکل واجبی صدقہ (وقف) ہے اوراس کے قیم ونگران (میرے بڑے بیٹے) حسن بن علی ہوں گے جواپنی معروف طریقہ پرخود بھی اس سے کھائیں گے اورجس جس جائز کام پر چاہیں گے خرچ کریں گے ان پر کوئی گرفت نہیں ہے اوراگر اپنے قرضہ کی ادائیگی کے لئے کچھ حصہ فروخت کرنا چاہیں تو کر سکیں گے اور اگر چاہیں تووہ اسے اپنی ملکیت کی مانند سمجھیں گے اولاد علی اور ان کے مال وزرکامعاملہ (حضرت) حسنؑ کے سپرد ہوگا اور اگر (حضرت) حسنؑ کارہائشی مکان، اس وقف والے مکان سے علیحدہ ہو اور وہ اس مکان کو فروخت کرنا چاہیں تو ایسا کرسکیں گے اور اگر فروخت کریں تو اس کی قیمت کو تین حصوں پر تقسیم کریں گے (۱) ایک ثلث سہم فی سبیل اللہ کے لئے، (۲) ایک ثلث بنی ہاشم وبنی المطلب کے لئے، (۳) ایک ثلث آل ابوطالب کے لئے اورو ہ وہاں صرف کریں جہاں خدا کا ارادہ

ہو اور اگر حسن کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے (وفات پاجائیں)اور (حضرت) حسین زندہ ہوں تو پھر متولی(حضرت) حسین بن علی ہوں گے اور حسین اس(وقف جائیداد) میں تصرف کریں گے جس کو میں نے (حضرت) حسن کو وصیت کی ہے ان کافریضہ اورذمہ داری بالکل وہی ہے جو حسن کی تھی میرے صدقہ (وقف) میں جو حقوق فاطمہ کے دو بیٹوں کی اولاد کے ہیں وہی حقوق (اس) اولاد علی کے ہیں(جو دوسرے بطنوں سے ہیں)

اور میں نے اولاد فاطمہ کو جو متولی بنایاہے تو یہ خدا کی خوشنودی اور حضرت رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکریم وتعظیم کی خاطر ہے اور اگر حسن و حسین دونوں کو کچھ ہوجائے (وفات پاجائیں)وان میں سے کوآخیر ہو وہ اولاد علی پر نگاہ ڈالیں پس اگران کوان میں کوئی شخص نظرآئے جس کے دین و دیانت اور امانت پر وہ مطمئن ہوں تواسے متولی بنائیں اور اگران میں ایسا کوئی شخص نہ مل سکے تو پھر فاطمہ کے دو بیٹوں کی اولاد پر نظر کریں اگران میں کوئی اس قابلیت واہلیت کاآدمی مل جائے تواسے بنائیں اور اگران میں بھی ایسا کوئی شخص نہ مل سکے تو پھرآل ابوطالب میں سے کسی اہل کو بنائیں اور اگر دیکھیں کہ آل ابوطالب کے بزرگ اور ارباب رائے کوچ کرگئے ہوں تو پھر بنی ہاشم میں سے کسی اہل شخص کو بنائیں اور اس سے یہ معاہدہ کریں کہ اصل مال کو اس کے تنوں پر باقی رہنے دیں اور اس کے حاصل (پھل وغیرہ) کو کارہائے خیر اور بنی ہاشم وبنی المطلب کے دور ونزدیک کے قرابت داروں پر صرف کریں اس جائیداد میں سے نہ توفروخت کی جائے، نہ ھبہ کی جائے اورنہ وراثت کے طور پر تقسیم کی جائے اور محمد بن علی کا جو مال ہے وہ میں نے الگ کردیاہے اور فرزندان فاطمہ کی مرضی پر ہے۔

اور میرے وہ غلام جن کے نام میرے چھوٹے خط میں لکھے ہوئے ہیں وہ سب راہ خدامیں آزاد ہیں یہ ہے وہ فیصلہ جو علی ابن ابی طالب نے خدا کی خوشنودی کی اورآخرت کی طلب کی خاطر اپنے مال وجائیداد کے بارے میں آنے والے دن کی صبح بمقام مسکن (کوفہ) میں

کیاہے (واللہ المستعان علی کل حال) (خداہی سے جس سے ہر حالت میں مدد طلب کی جاتی ہے) کوئی مسلمان مرد جو خدااور آخرت کے دن پر ایمان رکھتاہے وہ میری اس وصیت میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل کرنے کااور اس کی خلاف ورزی کرنے کا روادار نہیں ہے خواہ نزدیک والا ہو یا دور والا بعد ازاں (یہ بھی واضح ہو) کہ میری وہ سترہ (۱۷) عدد کنیزیں جو میرے زیر تصرف ہیں (۱) ان میں سے کچھ تو صاحب اولاد ہیں جن کی زندہ اولاد ان کے ہمراہ ہے، (۲) کچھ حاملہ ہیں، (۳) اور کچھ نہ صاحب اولاد ہیں اور نہ ہی حاملہ ان کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ اگر مجھے کچھ ہو جائے تو جو نہ صاحب اولاد ہیں اور نہ ہی حاملہ وہ بوجہ اللہ آزاد ہیں ان پر کسی کو کوئی تسلط نہیں ہے اور جو صاحب اولاد ہیں یا حاملہ ہیں وہ اپنی اولاد کی خاطر رکی رہیں اور وہ اپنی اولاد کا حصہ لیں ہاں اگر ان میں سے کسی کی اولاد مر جائے اور وہ زندہ ہو تو وہ بھی آزاد ہے۔

یہ ہے علی کا فیصلہ اپنے (مملوکہ (مال کے بارے میں آنے والے دن کی صبح بمقام مِسکن (کوفہ میں ایک جگہ کا نام ہے) اور اس وصیت پر گواہی دی ہے ابو ثمر بن ابرھہ اور صعصعہ بن صوحان اور سعید بن قیس اور ھیاج بن ابی ھیاج نے اور لکھی ہے علی بن ابیطالب نے بتاریخ ۱۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۳۹ ہجری (یعنی شہادت سے ایک سال پہلے)۔ (24)

مفتی جعفر حسینؒ امیر المؤمنین علیہ السلام کی اس وصیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"امیر المؤمنین علیہ السلام کی زندگی ایک مزدور اور کاشتکار کی زندگی تھی۔ چنانچہ آپؑ دوسروں کے کھیتوں میں کام کرتے، بنجر اور افتادہ زمینوں میں آب رسانی کے وسائل مہیا کرکے اُنھیں آباد کرتے اور کاشت کے قابل بنا کر ان میں باغات لگاتے اور چونکہ یہ زمینیں آپ کی آباد کردہ ہوتی تھیں اس لئے آپ کی ملکیت میں داخل تھیں۔ مگر آپؑ نے کبھی مال پر نظر نہ کی اور ان زمینوں کو وقف قرار دے کر اپنے حقوق ملکیت کو اُٹھالیا۔ البتہ قرابت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لحاظ کرتے ہوئے ان اوقاف کی تولیت یکے بعد دیگرے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے سپرد کی۔ لیکن ان کے حقوق میں کوئی امتیاز گوارا نہیں کیا، بلکہ دوسری اولاد کی طرح اُنھیں بھی صرف اتنا حق دیا کہ وہ گزارے بھر کا لے سکتے ہیں اور بقیہ عامۂ مسلمین کے مفاد اور اُمور خیر میں صرف کرنے کا حکم دیا چنانچہ ابن

ابی الحدید تحریر کرتے ہیں: قدعلم کل احد ان علیا علیہ السلام استخرج عیونا بکدّیدہ بالمدینۃ وینبع وسویعۃ، واحیابھا مواتاً کثیرۃ ثم اخراجھا عن ملکہ، وتصدق بھا علی المسلمین، ولم یبت وشئیٌ لامنھا فی ملکہ۔ یعنی "سب کو معلوم ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے مدینہ اور ینبع اور سویعہ میں بہت سے چشمے کھود کر نکالے اور بہت سی افتادہ زمینوں کو آباد کیا اور پھر اُن سے اپنا قبضہ اُٹھالیا اور مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا اور وہ اس حالت میں دنیا سے اُٹھے کہ کوئی چیز آپ کی ملکیت میں نہ تھی۔" (25)

کتاب دعائم الاسلام میں ہے کہ "وَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ(ع) أَنَّهُ قَالَ تَصَدَّقَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيٌّ(ص) بِدَارٍ لَهُ فِي الْمَدِينَةِ فِي بَنِي زُرَيْقٍ وَ كَتَبَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ هَذَا مَا تَصَدَّقَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَ هُوَ حَيٌّ سَوِيٌّ تَصَدَّقَ بِدَارِهِ الَّتِي فِي بَنِي زُرَيْقٍ صَدَقَةً لَا تُبَاعُ وَ لَا تُوهَبُ وَ لَا تُورَثُ حَتَّى يَرِثَهَا اللَّهُ الَّذِي يَرِثُ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضَ وَ أَسْكَنَ هَذِهِ الدَّارَ الصَّدَقَةَ خَالَاتِهِ مَا عِشْنَ وَ أَعْقَابَهُنَّ مَا عَاشَ أَعْقَابَهُنَّ فَإِذَا انْقَرَضُوا فَهِيَ لِذَوِي الْحَاجَةِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ شَهِدَ اللَّهُ" (26)

یعنی؛ "حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا ایک گھر بنی زریق میں تھا جسے امام علیہ السلام نے اس طرح وقف کیا ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ علی ابن ابی طالبؑ نے جب کہ وہ زندہ اور سلامت ہیں اپنا وہ مکان جو بنی زریق میں ہے، اس طرح وقف کیا کہ جو نہ فروخت کیا جاسکتا ہے اور ہے نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ آسمانوں اور زمینوں کا وارث اس کا وراث بنے۔ اور آپؑ نے اس میں خالاؤں کو جب تک وہ زندہ رہیں اور ان کی اولاد کو جب تک وہ زندہ رہیں، کو ٹھہرایا اور جب وہ سب ختم ہو جائیں تو پھر یہ ضرورت مند مسلمانوں کے لئے وقف ہے۔"

۲۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے وقف

عن اَبِی بَصِیرٍ قَالَ قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ ع أَلَا أُحَدِّثُكَ بِوَصِيَّةِ فَاطِمَةَ ع قُلْتُ بَلَى فَأَخْرَجَ حُقّاً أَوْ سَفَطاً فَأَخْرَجَ مِنْهُ كِتَاباً فَقَرَأَهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ۔ هَذَا مَا أَوْصَتْ بِهِ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ ص أَوْصَتْ بِحَوَائِطِهَا السَّبْعَةِ۔ الْعَوَافِ وَ الدَّلَالِ وَ الْبُرْقَةِ وَ الْمِيثَبِ وَ الْحَسْنَى وَ الصَّافِيَةِ وَ مَالِ أُمِّ إِبْرَاهِيمَ إِلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ع فَإِنْ مَضَى عَلِيٌّ فَإِلَى الْحَسَنِ فَإِنْ مَضَى الْحَسَنُ فَإِلَى الْحُسَيْنِ فَإِنْ مَضَى الْحُسَيْنُ فَإِلَى الْأَكْبَرِ مِنْ وُلْدِي شَهِدَ اللَّهُ عَلَى ذَلِكَ وَ الْمِقْدَادُ بْنُ الْأَسْوَدِ الْكِنْدِيُّ وَ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ وَ كَتَبَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ع. وَ رُوِيَ أَنَّ هَذِهِ الْحَوَائِطَ كَانَتْ وَقْفاً وَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ص يَأْخُذُ مِنْهَا مَا يُنْفِقُ عَلَى أَضْيَافِهِ وَ مَنْ يَمُرُّ بِهِ فَلَمَّا قُبِضَ جَاءَ الْعَبَّاسُ يُخَاصِمُ فَاطِمَةَ ع فِيهَا فَشَهِدَ عَلِيٌّ ع وَ غَيْرُهُ أَنَّهَا وَقْفٌ عَلَيْهَا۔ (27)

یعنی: "روای ابو بصیر مرادی کہتے ہیں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں تمہیں حضرت فاطمہ (زہراء) سلام اللہ علیہا کی وصیت نہ بتاؤں؟ میں نے عرض ہاں! چنانچہ امام علیہ السلام نے ایک ڈبیہ نکالی اور اس میں سے ایک تحریر نکالی جس میں لکھا تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ وصیت ہے جو فاطمہ بنت محمد ﷺ نے کی ہے اپنے ساتوں باغات کے بارے میں، جن کے نام یہ ہیں (۱) عواف (۲) دلال (۳) برقہ (۴) میبت (۵) حسنیٰ (۶) صافیہ (۷) اور مال اُم ابراہیم۔ اور یہ وصیت حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو کی ہے۔ (یعنی کو متولی بنایا ہے) جب حضرت علی علیہ السلام کا انتقال ہو جائے تو پھر حضرت حسنؑ کو اور جب ان کا بھی انتقال ہو جائے تو حضرت حسینؑ کو اور جب ان کا بھی انتقال ہو جائے تو میری اولاد میں سے جو بڑا ہے اس کو (وصیت) کی ہے۔ اور بی بیؑ اس بات پر خدا کو گواہ بناتی ہیں۔ اور مقداد بن اسود کو اور زبیر بن عوام کو اور یہ وصیت علی ابن ابی طالبؑ نے لکھی ہے۔"

حضرت صدوق علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں یہ باغات وقف تھے اور حضرت رسول خدا ﷺ ان کی آمدنی میں سے اپنے مہمانوں اور گذرنے والوں پر صرف فرماتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کا

انتقال ہوگیا تو عباس نے ان باغات کے بارے میں حضرت فاطمہؑ سے نزاع کیا تو حضرت علی علیہ السلام اور دوسرے لوگوں نے گواہی دی کہ یہ باغات بی بیؑ پر وقف تھے۔

۳۔امام حسین علیہ السلام کے وقف

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک گھر وقف کیا، امام حسن علیہ السلام نے اُن سے فرمایا: اس گھر کو خالی کردو چونکہ (جس چیز کو انسان وقف کر دیتا ہے تو وہ اس میں تصرف نہیں کر سکتا (وقف شدہ) گھر بھی اسی طرح ہے۔ جب وقف ہو جائے تو پھر واقف اسے استعمال میں نہیں لا سکتا۔ایک اور حدیث میں آیا ہے "وَعَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ(ع)أَنَّهُ وَرِثَ أَرْضاً وَ أَشْيَاءَ فَتَصَدَّقَ بِهَا قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَهَا" یعنی: امام حسین علیہ السلام کو کچھ زمین اور دوسری چیزیں ارث میں ملیں تو اُنہوں نے اُنہیں ہاتھ میں لینے سے پہلے ہی وقف کر دیا۔(28)

۴۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے وقف

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی کچھ وقف کئے ہیں۔ جیسا کہ شیخ کلینیؒ نے اصول کافی میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بھی کچھ موقوفات تھے۔ شیخ کلینی یزید بن سلیط کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام ہفتم حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے وصیت فرمائی اور دس افراد کو اس پر گواہ بنایا۔۔۔یہاں تک کہ امام علیہ السلام نے وصیت کی کہ میرے والد گرامی (امام جعفر صادق علیہ السلام) کے موقوفہ کے ثلث کی تولیت اور خود میرے ثلث کی تولیت اس (یعنی امام ہفتم کے فرزند امام رضا علیہ السلام) کے پاس ہے۔اس روایت سے پتا چلتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے موقوفات تھے جن کی اُنھوں نے وصیت فرمائی تھی۔(29)

۵۔حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے وقف

عبدالرحمٰن بن الحجاج بیان کرتے ہیں کہ

"حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے وقف کی اس طرح وصیت کی موسیٰ بن جعفر علیہ السلام وصیت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی وہ زمین جو فلاں فلاں جگہ پر ہے اور جس کے حدود یہ ہیں انہوں نے وہ زمین مع ان کی کھجوروں کے پانی کے نالوں کے اس کی وسعتوں کے اور پانی

پینے کے حقوق اوردیگر ہر قسم کے حقوق کے اپنی صلبی اولاد خواہ ذکورہوں یااناث پر صدقہ (وقف) کردی ہے جواس جائیدادکا متعلق ہوگاوہ اس کی آمدن میں سے واجبی اخراجات منہا کرنے کے بعداوروہاں کے (غریب ومسکین)لوگوں کے لئے تیس عذق(مخصوص مقدار) نکالنے کے بعداس کی آمدنی میں سے کوکچھ بچے وہ اس طرح میری اولاد میں تقسیم کیاجائے کہ مذکر کودوہرا اور مؤنث کواکہرا حصہ دیاجائے اور میری جس بیٹی کی شادی ہوجائے اسے اس وقف میں سے کچھ نہ دیاجائے جب تک شوہرکے بغیر پھرواپس نہ آجائے۔

اوراگر میری اولاد میں سے کسی کاانتقال ہوجائے اوراس کی اولاد موجود ہوتواس کی اولاد اپنے والد کی قائم مقام ہوگی لڑکے کودوہرااورلڑکی کواکہرا حصہ ملے گاجس طرح کہ موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنی صلبی اولاد کے بارے میں ایسا ہی کہاہے اوراگر میری اولاد میں سے کوئی بغیراولاد چھوڑے مرجائے تواس کاحصہ دوسرے مستحقین کولوٹادیاجائے گااور میری بیٹیوں کی اولاد کے لئے دس صدقہ میں کوئی حصہ نہیں ہے مگریہ کہ ان بچوں کے باپ میری اولاد میں سے ہوں(یعنی ماموں زادوں اور پھوپھی زادوں کی آپس میں شادیاں ہوئی ہوں) جب تک میری اولاد یااولاد کی اولاد اوراس کی نسل باقی رہے کسی اورکاکوئی حق نہیں ہے۔

اوراگر(خدانخواستہ)اس طرح ختم ہوجائیں کہ ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ رہے توپھرمیرایہ صدقہ میرے باپ کے ان بیٹوں کی اولاد کاحق ہوگا جو ماں کی طرف سے میرے(سگے) بھائی ہیں جب تک ان سے، یاان کی اولاد ونسل سے کوئی باقی رہے گاتویہ ان وہ سب کاحق ہوگااورجب وہ سب ختم ہوجائیں توپھریہ صدقہ میرے باپ کے ان بیٹوں کی اولاد کاحق ہوگاجومیرے باپ کی طرف سے (سوتیلے) بھائی ہیں اورجب وہ بھی سب ختم ہوجائیں توپھراس کاوارث وہ (خدا) ہوگاجس نے یہ جائیداد دی ہے (وھوخیرالوارثین)۔

یہ ہے صحیح وقف مؤیدجوموسیٰ بن جعفر نے خداکی خوشنودی اورآخرت کی طلب کی خاطرکیاہے جس میں رجوع نہیں کیاجاسکتاکسی بھی ایسے مومن کے لئے جوخدا اورروز آخرت پرایمان رکھتاہے وہ اس جائیداد کوفروخت کرنے، خریدنے، ھبہ کرنے اور بخشنے

یاجو کچھ میں نے بیان کیاہے اس میں کسی قسم کاکوئی تغیروتبدل کرنے کاحق نہیں رکھتا یہاں تک کہ اس کاوارث خدابنے اور موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس وقف کامتولی (اپنے بیٹے) علی اورابراہیم کوقراردیاہے جب ان میں سے کوئی گزرجائے تو پھر قاسم کودوسرے کے ساتھ شامل کرلیاجائے جب ان میں سے کوئی ایک چلاجائے توپھراسماعیل کودوسرے کے ساتھ شامل کرلیاجائے اورجب ان میں سے بھی ایک کوچ کرجائے توپھر عباس کو دوسرے کے ساتھ شامل کرلیاجائے اوراگرجب میری اولاد میں صرف ایک باقی رہ جائے توپھروہی متولی ہوگا۔" (30)

خلاصہ یہ کہ دین اسلام میں وقف کاحکم ایک امضائی حکم ہے جو اسلام سے پہلے بھی مختلف اقوام میں مختلف شکلوں میں موجود تھا۔ البتہ قرآن میں کلمہ وقف موجود نہیں، لیکن بعض آیات کہ جو عمل صالح، تالیف قلوب، تعاون، بر واحسان کی طرف ناظر ہیں، وقف کا مصداق بن سکتی ہیں اسی طرح سیرت رسول اللہ ﷺ اور ائمہ معصومین اطہار علیہم السلام کے قول وفعل سے بھی وقف کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے جن کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہائے شیعہ نے وقف سے متعلق احکام استنباط کئے ہیں۔ لہٰذا وقف کی اہمیت اور فضیلت کتب حدیث وسیرت سے بخوبی واضح ہےاور پھر وقف کے عملی اثرات بھی پوری دنیائے اسلام میں موجود موقوفات سے مسلمان معاشروں پر مرتب ہوتے رہے ہیں جن سے اس سنت حسنہ کی اہمیت کااندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

*****

حوالہ جات

1 ۔www.makarem.ir

2۔ری شہری محمد محمدی، میزان الحکمہ، ج ۱۰ ، ص ۶۱۱، دارالحدیث، قم

3۔ طریحی، فخرالدین بن محمد، مجمع البحرین، ص ۵، لغت وقف، تہران، مرتضوی، ۱۳۷۵ شمسی

4۔امام خمینی، تحریرالوسیلہ ج ۳، ص ۱۰، دارالکتب اسلامیہ، تہران

5۔الدرالمختار علی ہامش ردالمختار کتاب الوقف ۳۔۳۵۸

6۔ الدرالمختار علی ہامش ردالمختار کتاب الوقف ۳۔۳۵۸ بحوالہ قاسمی، مجاہدالاسلام، جدید فقہی مباحث، ج ۱۲، ص ۶۰، دارالاشاعت کراچی

7۔ابن ہشام، سیرہ نبویہ، ج ۲، ص ۳۳۴

8۔ قاضی نعمان مغربی، دعائم الاسلام، ج ۲، ص ۳۴۳، بیروت، دارالمعارف، ۱۳۸۳ھ

9۔سورۂ کہف، آیت ۴۶

10۔سورۂ آل عمران، آیت ۹۲

11۔سورۂ مزمل، آیت ۲۰

12۔سورۂ بقرہ، آیت ۱۷۷

13۔دیکھئے: محمد رضا مظفّر، اصول الفقہ، ج ۳، ص ۶۴، قم، دفتر تبلیغات، ۱۳۶۵ شمسی

14۔ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، ج ۲، ص ۲۲، ج ۷۷، ص ۱۲۴، دارالکتب الاسلامیہ، تہران

15۔ پاینده، ابوالقاسم، نہج الفصاحۃ، ص ۱۸۳ح ۹۰۶، تہران، دنیای دانش، ۱۳۶۳ شمسی

16۔ایضاً، ح ۱۳۳۲

17۔ قاضی نعمان مغربی، دعائم الإسلام، ج ۲، ص ۳۴۰، دارالمعارف، ۱۳۸۳ھ

18۔ قاضی نعمان مغربی، دعائم الاسلام جلد ۲ صفحہ ۳۴۱، بیروت، دارالمعارف، ۱۳۸۳ھ

19۔الشیخ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ج ۴، 244، جامعۃ المدرسین، قم، ۱۴۱۳ھ

20۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۲۲۰

21۔عاملی، شیخ حر، وسائل الشیعہ، ج ۲۵، ص ۴۳۴، قم، مؤسسۃ آل البیت علیہم السلام، ۱۴۰۹ھ

22۔ سنن نسائی۔ جلد دوم۔ حدیث 1545

23۔ مفتی جعفر حسین، ترجمہ نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۲۴، امامیہ کتب خانہ، لاہور

24۔ عاملی، شیخ حر، وسائل الشیعہ ج ۱۳، کتاب الوقوف والصدقات، قم، مؤسسۃ آل البیت علیہم السلام، ۱۴۰۹ھ

25۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغۃ، ۱۵ص ۱۴۶، دار الاحیاء التراث العربی، طبع ۱۹۶۷ء

26۔ قاضی نعمان مغربی، دعائم الاسلام، ج ۲، ص ۳۴۳، حدیث ۱۲۸۵، بیروت، دار المعارف، ۱۳۸۳ھ، وسایل الشیعہ / ج ۱۳/ ص ۳۰۴/ حدیث ۴

27۔ الشیخ الصدوق، من لا یحضرہ الفقیہ - ج ۴ ص ۲۴۴، جامعۃ المدرسین، قم، ۱۴۱۳ھ

28۔ قاضی نعمان مغربی، دعائم الاسلام، ج ۲، ص ۳۳۹، حدیث ۱۲۸۹، ۱۲۷۱، بیروت، دار المعارف، ۱۳۸۳ھ

29۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: اصول کافی ج ۱، کتاب الحجت، باب ۷۰ امام رضاؑ کی امامت پر نص کی طرف اشارہ، حدیث ۱۵

30۔ عاملی، شیخ حر، وسائل الشیعہ، ج ۱۳، کتاب الوقوف والصدقات۔

سود

(قرآن وحدیث کی روشنی میں)

سید مزمل حسین نقوی*
syedmuzammilhussainnaqvi@gmail.com

کلیدی کلمات: سود، ربا، قرض، اقتصادیات، تولید، بینکی معاملات، حرمت۔

خلاصہ:

سود کو عربی میں ربا کہتے ہیں۔ ربا کے معنی زیادتی، بڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں۔ سود کا مسئلہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ ربا کی دو قسمیں ہیں: ربا الفضل یا معاملی سود اور ربا النسیہ یا قرضی سود۔ معاملی سود یہ ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کا یوں باہم تبادلہ کیا جائے کہ ایک طرف زیادہ ہو۔ فقہاء نے اس قسم کے سود کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے، البتہ اس شرط کے ساتھ کہ اس جنس کو کیال یعنی پیمانہ یا وزن کے ساتھ بیچا اور خریدا جاتا ہو۔ قرضی سود سے مراد ایک شئے کو اس شرط پر قرض دینا کہ واپسی پر اس میں کچھ مقدار اضافہ ہو۔

اس مقالہ میں اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے کہ آیا سود کی حرمت، سود کی تمام اقسام کو شامل ہے یا نہیں؟ اس مقالہ میں مقالہ نگار کی رائے یہ ہے کہ جن چیزوں کے تبادلے میں وزن اور پیمانہ استعمال ہوتا ہے ان میں سود کی حرمت یقینی ہے لیکن وہ چیزیں جن کا تعلق مشاہدے اور عدد سے ہے ان میں ربا نہیں ہے۔ اسی طرح قرضی سود میں بھی اس کی استہلاکی قسم میں سود حرام ہے۔

*۔ مدرس جامعۃ الرضا، بارہ کہو، اسلام آباد

عصر حاضر کے اختلافی فقہی مسائل میں سے ایک مسئلہ سود کا ہے۔ ایک عرصہ سے فقہاء کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف رہا ہے۔ برٹش گورنمنٹ کے زمانے میں علماء کا ایک طبقہ بنک سے سودی لین دین کے جواز کا قائل تھا۔ ایک استفتاء کے جواب میں مفتی کفایت اللہ صاحب نے درج ذیل فتویٰ دیا تھا:

"مسلمانوں کو حتی الامکان روپیہ مسلمان امین کے پاس رکھنا چاہیے۔ لیکن اگر کوئی امین دستیاب نہ ہو اور وہ بنک میں روپیہ رکھنے پر مجبور ہوں تو ایسی حالت میں ان کو بنک کے پاس سود کی رقم نہ چھوڑنی چاہیئے کیونکہ وہ مسیحی مشنری کو دی جاتی ہے اور تبلیغ مسیحیت میں خرچ ہوتی ہے۔" (1)

لیکن علما کے ایک دوسرے طبقہ نے اس نکتہ نظر کی شدت کے ساتھ مخالفت کی اور اس کے عدم جواز کا فتویٰ صادر کیا۔ مولوی حکیم مرزا احمد قادری کہتے ہیں:

"مسلمانوں کو نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ حتی الامکان مال وقف یا رقوم دینی تو کیا اپنی ذاتی رقوم کو بھی بنک میں نہ رکھیں اور نہ کسی حیلہ سے ان رقوم کے ذریعے سود کا استعمال روا رکھیں۔" (2)

یہی صورت کم و بیش آج بھی قائم ہے۔ یعنی بعض علماء بنک کی حد تک جواز سود کے قائل ہیں، لیکن اکثر علما اس کے مخالف ہیں۔ آیت اللہ العظمیٰ آقای سیستانی کہتے ہیں:

"اگر حاکم شرع کی اجازت سے رقم جمع کرائی جائے اور اسی طرح اگر حاکم شرع بینک کو جمع شدہ رقم کو تبدیل کرنے کی اجازت دے دے تو اشکال برطرف ہو جائے گا۔ سرکاری بینکوں میں مال جمع کرانے کا حکم پرائیویٹ بینکوں میں رقم جمع کرانے جیسا ہوگا۔ ہم نے تمام مؤمنین کو اس کی اجازت دے رکھی ہے۔ اسی طرح اسلامی ممالک کے تمام بینکوں کو رقم تبدیل کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ لہٰذا ان بینکوں میں رقم جمع کرانے میں کوئی اشکال نہیں ہے اور جو سود سرکاری بینک دیتے ہیں۔ مومنین کو اسے استعمال کی اجازت ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کا آدھا حصہ غریبوں کو دیں بینکوں میں رقم جمع کرانے کے لئے ان صورتوں میں جو بیان ہوئی ہیں۔ فکسڈ ڈپازٹ اکاؤنٹ اور کرنٹ اکاونٹ میں کوئی فرق نہیں ہے۔" (3)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سود حرام ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث معصومینؑ اس پر دلالت کرتی ہیں بلکہ فقہا اسلام کے نزدیک سود کی حرمت ضروریات دین میں سے ہے۔ نہ صرف اسلام بلکہ آئین یہود میں بھی سود کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُواْ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللّهِ كَثِيرًاo وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُواْ عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا۔ (4)

ترجمہ: "پس ان یہودیوں کے ظلم کی بناء پر ہم نے جن پاکیزہ چیزوں کو حلال کر رکھا تھا ان پر حرام کر دیا اور ان کے بہت سے لوگوں کو راہِ خدا سے روکنے کی بناء پر اور سود لینے کی بناء پر جس سے انہیں روکا گیا تھا اور ناجائز طریقے سے لوگوں کے مال کھانے کی بناء پر اور ہم نے کافروں کے لئے دردناک عذاب مہیا کیا ہے۔"

تورات میں ہے:

"اگر کوئی غریب بھائی تمہارے پاس آئے تو مہمان کی طرح اس کا احترام کرو اور اس سے سود نہ لو اور اپنے خدا سے ڈرو تاکہ تیرا بھائی تیرے ساتھ رہ سکے۔ اسے سود نہ دے اگر میری قوم کے غریب جو تیرے ہمسایہ ہیں اگر انہیں قرض دیا ہے تو ان سے سود نہ لینا۔" (5)

اس طرح دین عیسائیت میں بھی سود حرام ہے۔

کیا ہر قسم کا سود حرام ہے یا کچھ قسم کا سود حرام ہے اور کچھ جائز ہے۔ اس مقالے میں یہی جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔

تعریف

سود کو عربی میں ربا کہتے ہیں۔ ربا کے معنی زیادتی، بڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں۔ ابوالحسین احمد بن فارس زکریا اپنی مشہور کتاب معجم مقاییس اللغہ میں لکھتے ہیں:

ربأ یدل علی اصل واحد وھو الزیادۃ والنماء والعلو یعنی: "رب کا ایک ہی معنی ہے زیادہ، بڑھنا اور بلند ہونا۔"

قرآن میں بھی یہ معنی استعمال ہوئے ہیں:

أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ (6) یعنی: "کہ ایک گروہ دوسرے سے زیادہ فائدہ حاصل کرے۔"

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر قسم کی زیادتی حرام نہیں ہے بلکہ مخصوص شرائط کے ساتھ ہی وہ زیادتی حرام ہے۔ مثلاً زیادہ سخاوت کرنا زیادہ علم حاصل کرنا حرام نہیں ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ جہاں زیادتی پسندیدہ ہے۔ خداوند کریم قرآن میں فرماتا ہے:

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِندَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ۔ (7)

ترجمہ: "اور جو سود تم لوگوں کے اموال میں افزائش کے لئے دیتے ہو وہ اللہ کے نزدیک افزائش نہیں پاتا اور جو زکوۃ تم اللہ کی خوشنودی کے لئے دیتے ہو تو ایسے لوگوں کو کئی گنا دیا جاتا ہے۔"

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بخشش اور زیادتی جو خوشنودی خدا کے لئے نہ ہو اس میں زیادی نہیں ہوتی اور دینے والے کے مال میں اضافہ نہیں ہوتا لیکن جس عطا میں خوشنودی خدا ہو اس میں برکت ہوتی ہے اور دینے والے کے مال میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ یہاں لفظ "ربا" استعمال ہوا ہے اور اسے حرام بھی نہیں کیا گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

الرباء ربأنِ ربایؤکل و ربالا یوکل فاما الذی یؤکل فهدیتك الی الرجل تطلب منه الثواب افضل منها فذلك الربا الذی یوکل وهو قوله عزوجل وما اتیتم من ربالیربوافی اموال الناس فلا یربوا عندالله واما الذی یؤکل فهوالربا الذی نهی الله عزوجل عنه واوعدعلیه النار۔ (8)

یعنی: "ربا دو طرح کا ہے ایک کھایا جاتا ہے اور ایک نہیں، وہ ربا جو کھایا جاتا ہے وہ تیرا کسی شخص کو ہدیہ دینا ہے جس سے تیرا ارادہ زیادہ ثواب کا حصول ہے۔ یہ وہی ربا ہے جس کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے:

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِندَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُو۟لَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ*۔"

سود کی قسمیں

فقہی کتب میں حرام سود کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں: ربا الفضل اور ربا النسیہ۔ ربا لفضل کو ربا معاملی اور ربا النسیہ کو ربائے قرضی بھی کہا گیا ہے۔

ربا الفضل یا معاملی سود یہ ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کا باہم تبادلہ کرنا۔ جبکہ ایک طرف زیادتی بھی ہو۔ مثلاً ایک کلو گندم کو دو کلو کے ساتھ بیچنا۔ فقہا نے اس قسم کو مطلقاً حرام قرار دیے۔ چاہے سود نقد ہو یا ادھار۔ البتہ اس شرط کے ساتھ کہ اس جنس کو کیل یعنی پیمانہ یا وزن کے ساتھ بیچا اور خریدا جاتا ہو۔ لہٰذا اگر کسی شئے کو عدد یا مشاہدے کے ذریعے فروخت کیا جاتا ہو تو پھر اس جنس کے تبادلے میں حرمت لازم نہیں آتی مثلاً ایک درجن انڈے کے بدلے دو درجن انڈے، ایک کپڑے کے بدلے دو کپڑے ایک جانور کے بدلے دو جانور وغیرہ یہ سب حرام سود کے زمرے میں نہیں آتے۔

ربا القرض یا قرضی سود یعنی ایک شئے کو اس شرط پر قرض دینا کہ واپسی پر اس میں کچھ مقدار اضافہ ہو گی۔ مثلاً ایک بوری گندم قرض دینا اس شرط پر کہ واپسی پھر ایک بوری اور دس کلو یا ہزار روپیہ دینا کہ واپسی پر گیارہ سو ہوں گے۔

ادلہ حرمت ربا۔

آیات:

1. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ-(9)

یعنی: "اے ایمان والو! یہ بڑھا چڑھا کر سود نہ کھایا کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔"

2. الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ

* ترجمہ: "اور وہ ربا جو نہیں کھایا جاتا ہے یعنی جو حرام ہے، یہ وہ ربا ہے جس سے خدا نے منع کیا ہے اور جہنم کا وعدہ کیا ہے"

فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَO يَمْحَقُ اللّهُ الْرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمO إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُواْ الصَّلاَةَ وَآتَوُاْ الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَO يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَO فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لاَ تَظْلِمُونَ وَلاَ تُظْلَمُونَ-(10)

ترجمہ: "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر حواس باختہ کر دیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو سود کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پس جس شخص تک اس کے پروردگار کی نصیحت پہنچی اور وہ سود لینے سے باز آ گیا تو جو پہلے وہ لے چکا ہے۔ وہ اسی کا ہوگا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جس نے اس کے بعد بھی سود لیا تو وہ سب جہنمی ہیں اور وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ خدا سود کو برباد کر دیتا ہے اور صدقات میں اضافہ کر دیتا ہے اور خدا کسی بھی ناشکرے گناہگار کو دوست نہیں رکھتا۔ جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کئے نماز قائم کی زکوۃ ادا کی ان کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں اجر ہے اور ان کے لئے کسی قسم کا خوف اور حزن نہیں ہے۔ ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم صاحب ایمان ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خدا اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کر لو تو اصل مال تمہارا ہی ہے۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔"

3. فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُواْ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللّهِ كَثِيرًاO وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُواْ عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا۔ (11)

ترجمہ: "پس ان یہودیوں کے ظلم کی بناء پر ہم نے جن پاکیزہ چیزوں کو حلال کر رکھا تھا ان پر حرام کر دیا اور ان کے بہت سے لوگوں کو راہِ خدا سے روکنے کی بناء پر اور سود لینے کی بناء پر جس

سے انہیں روکا گیا تھا اور ناجائز طریقے سے لوگوں کے مال کھانے کی بناء پر اور ہم نے کافروں کے لئے درد ناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔"

روایات

1. رسول خداﷺ فرماتے ہیں:"شر المکاسب کسب الربا۔"(12)
یعنی: "بدترین کمائی سود کی کمائی ہے۔"

2. آنحضرتﷺ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ''مَنْ أَكَلَ الرِّبَا أَمْلَأَ اللَّهُ بَطْنَهُ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ بِقَدْرِ مَا أَكَلَ وَإِنِ اكْتَسَبَ مِنْهُ مَالًا لَا يَقْبَلُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْهُ شَيْئاً مِنْ عَمَلِهِ وَلَمْ يَزَلْ فِي لَعْنَةِ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ مَا كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُ قِيرَاطٌ وَاحِد۔''(13)

یعنی: "جو سود کھائے گا اللہ اس کے شکم کو اتنا ہی آتش جہنم سے بھر دے گا جتنا اس نے سود کھایا تھا اگر اس کی آمدنی سود سے ہوتی ہو تو خدا اس کا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا۔ جب تک اس کے پاس سود کا ایک پیسہ بھی موجود ہے۔ خدا اور ملائکہ کی اس پر لعنت ہوتی رہے گی۔"

3. رسول خداﷺ نے امیر المؤمنینؑ کو مخاطب کر کے فرمایا:

" يَا عَلِيُّ دِرْهَمُ رِبًا أَعْظَمُ مِنْ سَبْعِينَ زَنْيَةً كُلُّهَا بِذَاتِ مَحْرَمٍ فِي بَيْتِ اللَّهِ الْحَرَام۔"(14) یعنی: "اے علیؑ! سود کے ایک درہم کا گناہ ان ستر زنا سے بڑا ہے جو محرم خواتین سے خانہ کعبہ میں کیا جائے۔"

4. عبید ابن زرارہ کہتے ہیں:

بلغ ابا عبداللہ (ع) عن رجل انہ یا کل الرباء یسمیہ اللباء فقال لئن امکننی اللہ عزوجل لاضربن عنقہ۔ (15) یعنی: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تک یہ بات پہنچی کہ ایک شخص سود کھاتا ہے اور اسے "لباء" (وہ دودھ جو بچے کی پیدائش کے بعد پہلی دفعہ نکالا جائے) کہتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا اگر اللہ مجھے قدرت دے تو میں اس کی گردن اڑا دوں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا حرمت ربا کی ربا کی تمام اقسام کو شامل ہیں یا کچھ اقسام اس سے خارج ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ بات یقینی ہے کہ ربا صرف ان چیزوں کے تبادلے میں ہے جو کیال اور وزن کے ذریعے بیچی

اور خریدی جاتی ہیں۔ پس وہ چیزیں جن کا تعلق مشاہدے اور عدد سے ہے ان میں ربا نہیں ہے۔ زرارہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

''لایکون الربا الا فیما یکال او یوزن۔'' (16) یعنی: "سود صرف انہی چیزوں میں ہے جو کیال (پیمانہ مثلاً بوری، بالٹی) اور وزن کی جاتی ہیں۔"

منصور ابن جازم کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا:

''البیضة بالبیضتین قال لا بأس به والثوب بالثوبین قال لا بأس به والفرس بالفرسین فقال لا بأس به ثم قال کل شئی یکال او یوزن فلا یصح مثلین بمثل اذا کان من جنس واحد فاذا کان لایکال ولایوزن فلیس به بأس اثنان بواحد۔'' (17)

یعنی: "کیا ایک کے بدلے دو انڈے لئے جاسکتے ہیں؟ فرمایا کوئی حرج نہیں۔ ایک کے بدلے دو گھوڑے؟ فرمایا کوئی مضائقہ نہیں پھر فرمایا ہر وہ شئے جو کیال یا وزن کے ذریعے ہو تو پھر ایک ہی جنس کی ایک ہی طرح کے دو کے بدلے ایک صحیح نہیں ہے اور جب ایسا نہ ہو تو دو کو ایک کے بدلے دیا جاسکتا ہے۔"

ایک شخص نے رسول خداﷺ سے کہا: "یا رسول اللہ ارأیت الرجل یبیع الفرس بالافراس والنجیة بالابل قال لابأس اذا کان یدّا بید۔'' (18)

یعنی: "اے اللہ کے رسولؐ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو چند گھوڑوں کے بدلے ایک گھوڑا اور ایک اونٹ کے بدلے ایک اونٹنی کو بیچتا ہے۔ فرمایا اگر نقد ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔"

حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: '' البعیر بالبعیرین والدابه بالدابتین یدا بید لیس به باس۔'' (19) یعنی: "دو انٹوں کے بدلے ایک اونٹ اور دو جانوروں کے بدلے ایک جانور لینے اور دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر معاملہ نقد میں ہو۔"

شیعہ سنی کتب حدیث میں اس طرح کی بہت سی روایات موجود ہیں جن سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حرمت ربا کی ادلہ ان چیزوں کے باہم تبادلے کو شامل نہیں ہیں جن کا تعلق کیل (پیمانہ) اور وزن سے نہیں ہے۔ ابن ادریس حلی کہتے ہیں کہ:

ولا یکون الربا المنهی عنه المحرم فی شریعة الاسلام عند اهل البیت علیهم السلام الا فیما یکال او یوزن فاما ما عدا هما من جمیع المبیعات فدار با فیها بحال لان حقیقة الربا فی عرف الشرع هو بیع المثل من المکیل او الموزون بالمثل متفاضلا نقداً و نسیئةً۔

یعنی: "وہ سود جس سے منع کیا گیا ہے اور اہل بیتؑ کے نزدیک اسلامی شریعت میں حرام ہے وہ ان اشیاء میں ہے جن کا تعلق کیل اور وزن سے ہو۔ پس جو ان کے علاوہ ہیں ان میں کسی صورت میں بھی ربا نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت میں ربا یہ ہے کہ کیل یا وزن والی شئے کا اسی طرح کی دوسری شئے کے ساتھ تبادلہ کرنا جبکہ ایک طرف زیادتی ہو۔ یہ تبادلہ نقد ہو یا ادھار ہو کوئی فرق نہیں ہے۔"

علما اور فقہاء کے نزدیک اس پر اتفاق ہے کہ وہ چیزیں جن کا تعلق مکیال اور وزن سے نہیں ہے جیسے انڈے، کپڑے اور جانور ان میں اگر زیادتی کے ساتھ خرید و فروخت کی جائے تو حرام نہیں ہے۔ کیونکہ ان چیزوں میں سود نہیں ہے۔ پس ربا الفضل کی یہ قسم ادلہ حرمت میں داخل نہیں ہے۔ باقی بچ گئی وہ قسم جن میں مکیال اور موزون والی چیزوں کا تبادلہ ہو۔ اس قسم کی پھر دو قسمیں بنتی ہیں۔

الف۔ مثلاً ایک کلو گندم کے بدلے دو کلو گندم جبکہ دونوں کی کوالٹی ایک ہو۔

ب۔ مثلاً ایک کلو گندم کے بدلے دو کلو گندم جبکہ دونوں کی کوالٹی مختلف ہو۔

پہلی صورت میں کوئی احمق ہی ہوگا جو ایک کلو کے بدلے میں دو کلو دے رہا ہے وہ بھی نقد اور کوالٹی بھی ایک جیسی مثلاً ۱۰۰ روپے والے چاول کو خرید رہا ہے ۱۰۰ روپے کلو والے چاول دو کلو چاول سے۔ یہ قسم انتہائی غیر معقول ہے اسی لئے شریعت نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ امام صادق علیہ السلام سے جب عمر بن یزید نے پوچھا کہ ربا کیا ہے تو فرمایا۔

دراهم بدراهم مثلین بمثل و حنطة بحنطة مثلین بمثل۔ (20)

یعنی: "ایک جیسے دو درہم ایک درہم کے بدلے اور ایک جیسی گندم ایک کے بدلے دو۔"

یہ عقلی طور پر بھی معقول نہیں ہے اور شرعی طور پر بھی۔ چونکہ ایک کیلو تو ایک کیلو کے مقابلے میں ہوئی جبکہ دوسری کیلو کس کے بدلے میں ہے؟ یہی مال باطل ہے جس سے قرآن نے منع کیا ہے:

لَاتَأْكُلُوْاْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ (21)

یعنی: "خبردار ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔"

دوسری قسم کو بھی فقہانے حرام قرار دیا ہے کیونکہ دونوں کی جنس ایک ہے اور ایک طرف زیادتی ہے۔ حالانکہ یہ کوئی غیر معقول معاملہ نہیں ہے مثلاً ایک طرف دو کلو چاول ہیں جن کی کوالٹی اعلیٰ نہیں ہے اور بازار میں اس کی قیمت پچاس روپیہ ہے جبکہ دوسری طرف ایک کلو چاول ہیں جن کی کوالٹی اعلیٰ ہے اور بازار میں اس کی قیمت 100 روپے ہے اگر یہ معاملہ ہو جائے تو اس میں غیر عقلی بات کیا ہے۔ یہاں کس کو نقصان ہو رہا ہے۔ کسی پر ظلم ہو رہا ہے۔

یہ مثلین بمثل کے زمرے میں نہیں آئی۔ مثل کا معنی جنس نہیں ہے کہ کہا جائے کہ جنس ایک ہے اور ایک طرف زیادتی ہے۔ مثل یعنی ایک جیسی۔ اگر ایک جیسی شئے ہو اور مقابلے میں اسی طرح کی شئے ہو اور زیادتی بھی ہو تو غیر معقول ہے مثلاً دونوں گندم یا چاول کی کوالٹی ایک ہے اور ایک طرف زیادہ بھی ہے تو یہ غیر معقول ہے اور پہلی قسم میں شامل ہے۔

لہٰذا اگر ایک جیسی نہیں ہیں تو معاملہ صحیح ہے کسی فریق کے ساتھ ظلم نہیں ہو رہا وہ ظلم جسے سورہ نساء آیت ۱۶۱ میں حرمت ربا کی وجہ قرار دیا ہے۔ بلکہ ممکن ہے اس میں دونوں فریقین کا فائدہ ہو۔ وہ ایک کلو اچھے چاول دے کر اس کوالٹی سے کمتر دو کلو لے رہا ہے تاکہ اس کے لئے زیادہ دن چل سکیں یا مثلاً کم کوالٹی والا ایسے چاول پسند نہ کرتا ہو اور وہ انہیں دے کر اعلیٰ کوالٹی کا لے رہا ہے۔

یا مثلاً وہ گندم ایسی ہے جس میں گھن لگ گیا ہے انسانوں کے کھانے کے قابل نہیں رہی جانور کھا سکتے ہیں اس کے پاس جانور نہیں ہیں۔ دوسرے کے پاس ہیں وہ زیادہ گندم لے رہا ہے کم دے رہا ہے۔ چونکہ وہ جانور کو کھلاوے گا۔ وگرنہ کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو ایک کلو اچھی گندم دے کر ایک کلو ردی اور خراب گندم لے وہ بھی نقد۔

مختصر یہ کہ ربا الفضل کی صرف ایک قسم غیر عقلی اور حرام ہے جب مثلین کا تبادلہ ہو اور ایک طرف زیادتی ہو مثلاً ایک ہی کوالٹی کے چاول کا تبادلہ ہو رہا ہو اور ایک طرف زیادہ ہو۔ وگرنہ اس نقد معاملہ کی کوئی بھی صورت ربا کے زمرے میں نہیں آئی۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت نقل کی گئی

ہے۔ آپ نے فرمایا: ''لاربا فیماکان یداً بید''۔(22) یعنی: ''دست بدست معاملے میں ربا نہیں ہے۔''

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ماکان من طعام مختلف او متاع اوشئی من الاشیاء یتفاضل فلاباس ببیعه مثلین بمثل یداًبید فاما نظرۃ فلایصلح۔(23)

یعنی: ''مختلف غذائیں، مال یا اشیاء زیادتی کے ساتھ مثلیں بمثل بھی ہو تو ان کی خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں ہے اگر وہ نقد اور دست بدست ہو۔ البتہ ادھار میں صلاح نہیں ہے۔''

شیخ طوسیؒ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

انما الربا فی النسیئة فرای ابن عباس هذا الخبر دلیلا علی انه لا ربا الا فی النسیئة۔(24)

یعنی: ''ربا یقیناً ادھار میں ہے اس لئے ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ ربا صرف ادھار میں ہے۔''

ربا النسیئۃ یا قرضی سود

اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ استہلاکی اور تولیدی

ربائے استہلاکیہ ہے کہ انسان کسی مجبوری کی وجہ سے قرض لیتا ہے۔ اور وقت پر ادا نہ کرنے کی وجہ سے اس کے قرض کی مقدار کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ تاریخی، روائی اور تفسیری کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد جاہلیت میں یہی سود رائج تھا۔ زید بن اسلم کہتے ہیں:

کان الربا فی الجاهلیة ان یکون للرجل علی الرجل الحق الی اجل فاذا حل الاجل قال اتقضی ام تربی فان قضیٰ اخذ الا زاد فی حقه واخر عنه فی الاجل۔(25)

یعنی: ''زمانہ جاہلیت میں یہ سود رائج تھا کہ ایک شخص کا دوسرا شخص پر معین مدت کے لئے ایک حق (قرض) ہوتا تھا۔ جب مقررہ مدت آتی تو قرض دینے والا مقروض سے کہتا کہ قرض واپس کرو گے یا اضافہ کرو گے۔ اگر وہ واپس کرتا تو یہ لے لیتا و گرنہ اضافہ کرکے مدت بڑھا دیتا۔''

یہی وہ سود ہے جس سے آیات اور روایات نے سختی سے منع کیا ہے۔ کیونکہ یہ ظلم ہے اور مقروض کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جارہا ہے۔ قرض دینے والا مقروض کی مرضی کے بغیر اپنی مرضی سے دوگنا چوگنا بڑھارہا ہے۔ جس سے مقروض کا استحصال ہورہا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" (26)

ترجمہ: "اے ایمان والو! دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ نجات پاجاؤ"

اور سورہ بقرہ میں فرماتا ہے:

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (27)

ترجمہ: "اور اگر تمہارا مقروض تنگ دست ہے تو کشائش تک اسے مہلت دو اور اگر تم سمجھ لو تو اسے معاف کردینا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔"

مختصر یہ کہ حقیقی ربا کا تعلق دو حالتوں سے مشروط ہے۔ ایک نوعیت معاملہ اور دوسرے اشخاص معاملہ۔ اگر معاملے کی نوعیت قرض ہو اور مقروض محتاج اور مفلس ہو تو اس سے مقدار قرض سے زیادہ لینا ربا کہلاتا ہے اور قرآن وسنت کی نظر میں یہ مال حرام ہے۔ قرآن مجید میں جن مقامات پر حرمت ربا کا ذکر ہوا ہے۔ ان کے سیاق وسباق سے ربا کے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرماتا ہے:

فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ○ وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ۔ (28)

ترجمہ: "اور تم قرابتداروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دے دو یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور تم لوگ جو بھی سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہوجائے تو خدا کے ہاں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ ہاں جو زکوۃ دیتے ہو اور اس میں خدا کی رضا چاہتے ہو تو ایسے لوگوں کو دگنا چوگنا دے دیا جاتا ہے۔"

دوسری جگہ خدا فرماتا ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحصِرُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ لاَ يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لاَ يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّهَ بِهِ عَلِيمٌo الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلاَنِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَo الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لاَ يَقُومُونَ إِلاَّ كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُواْ إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَo يَمْحَقُ اللّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ۔ (29)

ترجمہ : "یہ صدقہ ان فقرا کے لئے ہے جو راہ خدا میں گرفتار ہوگئے ہیں اور کسی طرف جانے کے قابل نہیں ہیں۔ ناواقف افراد انہیں ان کی حیاوعفت کی بناء پر مالدار سمجھتے ہیں حالانکہ تم آثار سے ان کی غربت کا اندازہ کر سکتے ہو اگرچہ یہ اصرار کے ساتھ لوگوں سے نہیں مانگتے اور جو مال تم خرچ کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔ جو لوگ اپنا مال شب و روز پوشیدہ اور اعلانیہ طور پر خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور انہیں نہ کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر حواس باختہ کیا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو سود کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پس جس شخص تک اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ سود لینے سے باز آگیا تو جو پہلے لے چکا وہ اسی کا ہوگا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جس نے اعادہ کیا تو ایسے لوگ جہنمی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ سود کو برباد کر دیتا ہے اور صدقات میں اضافہ کر دیتا ہے اور خدا کسی بھی ناشکرے گناہگار کو دوست نہیں رکھتا۔"

مذکورہ بالا آیات میں سود کا ذکر زکات اور صدقے کے بالمقابل ہوا ہے۔ اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حرمت ربا کی علت ظلم اور زیادتی یعنی غربا کا استحصال ہے عہد جاہلیت میں صاحبانِ ثروت سماج کے غربا کی دست گیری کی بجائے اپنے فاضل مال سے مزید مال پیدا کرنے کی فکر میں رہتے تھے اور ان سے

سودی معاملات طے کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔آج بھی اگر کسی شخص کے ذمہ زکواۃ اور دوسرے مالی واجبات ہوں اور دوسری طرف مستحق بھی موجود ہوں تو ایسا شخص اگر انہیں زکواۃ یا دوسرے مالی واجبات سے ادا کرنے کی بجائے قرض دیتا ہے اور اضافہ لیتا ہے تو یہ سود ہے اور حرام ہے۔

ربا تولیدی

غربا اور مساکین سے سود لینا تو حرام ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے لیکن کیا مستطیع افراد جو اپنی مختلف ضروریات مثلاً تعمیر مکان یا تجارتی اغراض کے لئے قرض لیتے ہیں کیا ان سے اضافی مال لینا یا بنک سے ان ضروریات کے لئے قرض لینا اور اس پر اضافی مال دینا نیز بنک میں پیسے جمع کروا کر ہر ماہ اس سے نفع لینا یہ بھی حکم ربا میں داخل ہے یا نہیں؟ اس کے بارے فقہاء میں اختلاف ہے۔ اکثر فقہا اسے حرام کہتے ہیں۔ ان کے بقول یہ بھی سود ہے اور حرام ہے جبکہ بعض فقہاء اسے جائز سمجھتے ہیں اور اسے ربا تولیدی کے زمرے میں لاتے ہیں۔

اس سلسلے میں صحیح نقطہ نظر یہی ہے کہ اس قسم کے قرضوں پر خواہ وہ تجارتی ہوں یا غیر تجارتی ایک معقول اضافی رقم لینا یا دینا عقل اور نقل دونوں کے لحاظ سے جائز ہے۔ آیت حرمت ربا سے معلوم ہوتا ہے کہ سودی قرضوں میں اضافی رقم کا تعین مقروض کی مرضی کے بغیر ہوتا تھا۔ حرمت ربا کی بڑی علت یہی تھی چونکہ اس سے ظلم لازم آتا ہے۔

اگر راس المال میں ایک معقول اضافہ مقروض کی مرضی اور خوشی سے ہو تو اس پر سود کا اطلاق نہیں ہو گا۔ کیونکہ قرض دینے والا اپنا مال دے کر اپنا حق انتفاع مقروض کو منتقل کر رہا ہے۔ لہٰذا تقاضا انصاف یہ ہے کہ وہ حق انتفاع کے عوض میں ایک معقول اضافی رقم قرض دینے والے کو دے۔ فرق نہیں ہے کہ وہ اضافی رقم پہلے سے طے ہو یا مقروض بعد میں اپنی مرضی سے دے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "خَيْرُ الْقَرْضِ الَّذِي يَجُرُّ الْمَنْفَعَةَ۔" یعنی: "بہترین قرض وہی ہے جو منفعت کا باعث بنے۔" (30) بعض فقہا نے اس قسم کی روایات کی یہ توجیہہ کی ہے کہ یہ اس صورت میں صحیح ہے جب پہلے سے شرط نہ ہو بلکہ مقروض اپنی خوشی سے دے رہا ہو کیونکہ بعض

روایات میں ہے کہ اگر پہلے سے شرط ہو تو جائز نہیں ہے۔ لیکن فقہی منابع میں کچھ روایات موجود ہیں جو اسے بھی جائز قرار دیتی ہیں۔ جمیل ابن دراج نے امام صادق علیہ السلام سے کہا:

إِنَّا نُخَالِطُ نَفَراً مِنْ أَهْلِ السَّوَادِ فَنُقْرِضُهُمُ الْقَرْضَ وَ يَصْرِفُونَ إِلَيْنَا غَلَّاتِهِمْ فَنَبِيعُهَا لَهُمْ بِأَجْرٍ وَ لَنَا فِي ذَلِكَ مَنْفَعَةٌ قَالَ فَقَالَ لَا بَأْسَ وَ لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ وَ لَوْلَا مَا يَصْرِفُونَ إِلَيْنَا مِنْ غَلَّاتِهِمْ لَمْ نُقْرِضْهُمْ فَقَالَ لَا بَأْسَ۔ (31)

یعنی: " ہم اہل عراق سے ملتے ہیں۔ انہیں قرض دیتے ہیں اور وہ اپنا غلہ ہمیں دے دیتے ہیں ہم اسے ان کے لئے بیچتے ہیں اور اس میں ہمارے لئے بھی فائدہ ہوتا ہے؟ کیا اس طرح کرنا صحیح ہے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے۔ راوی نے کہا اگر وہ اپنا غلہ ہمیں نہ دیں تو ہم انہیں قرض نہیں دیتے۔ اس صورت میں کیا حکم ہے فرمایا کوئی حرج نہیں۔"

اس روایت سے ظاہر ہوتا کہ وہ پہلے سے طے کر لیتے ہیں کہ قرض اس صورت میں دیں گے جب تم اپنا غلہ ہمیں دوگے۔ مختصر یہ کہ مقروض اگر اپنی مرضی سے دے تو جائز ہے چاہے وہ پہلے سے طے ہو یا نہ ہو۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ موجودہ معاشی دور میں جس طرح مہنگائی روز افزوں ہے اور روپے کی قدر جس تیزی سے گرتی ہے اس کے پیش نظر قرض دینے والے کو مالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اگر مقروض اسے کوئی اضافی رقم نہ دے۔ مثلاً زید نے احمد کو ایک لاکھ روپے دیئے اور احمد نے دو تین سال بعد اصل رقم واپس کر دی اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے باعتبار مالیت ایک لاکھ کی بجائے اسی (80) ہزار واپس کئے ہیں۔ کون صاحب عقل اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مال سے انتفاع کا حق بھی چھوڑے اور راس المال میں کمی بھی برداشت کرے۔ کیا یہ اس پر ظلم نہیں ہے حالانکہ آیت ربا کہتی ہے لا تظلمون ولا تظلمون۔ "نہ تم ظلم کروگے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔" فلکم روس اموالکم راس المال تمہارا حق ہے یعنی اگر راس المال نہ ملے تو قرض دینے والے پر ظلم لازم آتا ہے۔ پس اگر اسے کچھ زیادہ مل جائے تو دونوں پر ظلم نہیں ہوگا اور جہاں ظلم نہیں وہاں حرمت ربا نہیں ہے۔ کیونکہ حکم کا دار مدار علت پر ہوتا ہے اور حرمت ربا کی ایک علت ظلم ہے جب امام رضاؑ سے پوچھا گیا کہ اللہ ربا کو کیوں حرام کہتا ہے تو آپ نے فرمایا: وَ عِلَّةُ تَحْرِيمِ الرِّبَا بِالنِّسْيَةِ لِعِلَّةِ ذَهَابِ

الْمَعْرُوفِ وَتَلَفِ الْأَمْوَالِ وَ رَغْبَةِ النَّاسِ فِي الرِّبْحِ وَتَرْكِهِمُ الْقَرْضَ وَ الْفَرْضَ وَ صَنَائِعَ الْمَعْرُوفِ وَلِمَا فِي ذَلِكَ مِنَ الْفَسَادِ وَ الظُّلْمِ وَفَنَاءِ الْأَمْوَالِ۔(32)

یعنی: "ربا حرام ہے کیونکہ اس سے نیکیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ (مثلاً منافع کے لالچ میں صدقہ و خیرات نہیں کریں گے) اموال تلف ہو جاتے ہیں لوگ منافع کی طرف رجحان پیدا کر لیں گے قرض اور فرض (مثلاً زکوۃ و خمس) کو ترک کر دیں گے اچھے کام یعنی صدقہ و خیرات نہیں کریں گے اور چونکہ ربا میں فساد، ظلم اور اموال کے فنا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اسی لئے حرام قرار دیا گیا ہے۔"

سود کی حرمت کا ایک سبب امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی بیان فرمائی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

انه لوكان الربا حلالا لترك الناس التجارات و مايحتاجون اليه فحرم الله الربا ليفي الناس عن الحرام الى التجارات و الى البيع والشراء۔(33)

یعنی: "اگر سود حلال ہوتا تو لوگ تجارت اور دوسرے ضروری کام چھوڑ دیتے۔ پس اللہ نے سود کو حرام قرار دیا ہے تاکہ لوگ اس سے دور رہتے ہوئے تجارت اور کاروبار کریں۔"

آیات اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سود کے حرام ہونے کی وجوہات ظلم، ترک تجارت، قرض اور نیکیوں کا رک جانا ہے۔ لہٰذا اگر کسی معاملے سے یہ چیزیں لازم نہ آتی ہوں بلکہ اس سے تجارت بھی بڑھتی ہو اور لوگ خوشی سے قرض بھی دینے لگیں تو پھر ایسے معاملے کو حرام سود کے زمرے میں لانا معقول نہیں ہے۔ آج لوگ طویل المیعاد قرض دینے سے کیوں گھبراتے ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ جب واپس ملے گا تو اس کی قیمت کم ہو چکی ہو گی۔

آج کل ساری تجارتی سرگرمیوں کا محور و مرکز بنکنگ نظام ہے۔ بنکوں کے مالی تعاون کے بغیر کوئی شخص بڑا کاروبار نہیں کر سکتا۔ تاجر جہاں تجارتی قرضے لیتے ہیں وہاں وہ اپنا اصل سرمایہ بھی رکھتے ہیں۔ پہلی صورت میں وہ بنک کو کچھ اضافی رقم دیتے ہیں اور دوسری اس صورت میں اس سے اضافی رقم لیتے ہیں۔ نیز کچھ لوگ غیر تجارتی ضروریات کے لئے بھی بنک سے قرض لیتے ہیں۔ مثلاً تعمیر مکان کے لئے گاڑی خریدنے کے لئے اس صورت میں انہیں اصل قیمت سے زیادہ ادا کرنا پڑتی ہے۔ اس طرح کچھ لوگ اپنی جمع پونجی معین مدت کے لئے بنک میں رکھتے ہیں اور ماہانہ منافع لیتے ہیں۔

اگر اس سارے نظام پر غور کیا جائے تو اس قسم کے معاملات میں کوئی شرعی یا عقلی قباحت نظر نہیں آئی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ بنک میں جو رقم فریقین کی باہمی رضامندی سے جمع کی جاتی ہے۔ اسے بنک تجارت وغیرہ میں لگاتا ہے اور اس سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اس سے ایک متعین حصہ اصل رقم کے ساتھ فریق ثانی کو واپس کرتا ہے۔ اس پر ربا کا اطلاق نہیں ہوتا خواہ اس کا نام کچھ بھی رکھ دیں۔ یاد رہے کہ حرمت ربا کی ایک بڑی وجہ ظلم اور استحصال ہے اور وہ یہاں نہیں ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ نفع پہلے سے مقرر ہوتا ہے لہٰذا سود ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو بنک کے کاروبار میں شریک کرنا ممکن نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ بنک جو اسے اضافی رقم دیتا ہے وہ بہت تھوڑا نفع ہے اور چونکہ وہ نقصان میں شریک نہیں ہوتا اس لئے نفع قلیل پر راضی ہو جاتا ہے۔ گویا یہ نقصان میں عدم شرکت کا بدل ہے۔ نیز یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ موجودہ حالات میں مال کے تحفظ کی بہترین صورت یہی ہے کہ اسے بنک میں محفوظ کیا جائے۔ ان حالات میں اگر بنک سے اضافی رقم نہ لی جائے تو جمع کروانے والے کو گھاٹا ہوتا ہے۔ اس کے مال کی قدر و قیمت کچھ عرصے بعد کم ہو جائے گی۔ اس مالی خسارے سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ بنک سے اضافی رقم لی جائے یہ اضافہ حق انتفاع سے دستبرداری اور روپے کی قیمت میں گراوٹ کا بدلہ ہوگا۔ اسی طرح تجارت، تعمیر مکان یا کسی اور بڑی ضرورت کے لئے بنک سے قرض لیا جاتا اور اسے اضافی رقم دی جاتی ہے تو یہ بھی حرام سود کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ اس میں بھی دونوں فریقین کا فائدہ ہے۔

مزید دلائل

فقہی اعتبار سے اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر معاملہ جائز اور حلال ہے جب تک اس کی حرمت پر واضح دلیل قائم نہ ہو جائے۔ جیسا کہ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: کل شی هولك حلال حتی تعلم انه حرام بعینه۔ (34) یعنی: "ہر شے تیرے لئے حلال ہے یہاں تک کہ اسی کے حرام ہونے کا یقین ہو جائے۔"

وہ ادلہ جو کہتی ہیں کہ تم جو بھی معاملہ کرو اسے پورا کرو مثلاً: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَوْفُواْ بِالْعُقُودِ۔ (35) یعنی: "اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان اور معاملات کی پابندی کرو۔"

وہ ادلہ جو کہتی ہیں کہ اپنی شرائط پر کاربند رہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: المسلمون عند شروطهم۔ (36) یعنی: "مسلمان اپنی شروط کا پابند ہوتا ہے۔"

ان ادلہ سے وہ مورد جو یقینی طور پر خارج ہے اور جس کی حرمت کا حکم لگایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی فقیر اور نادار کی ضرورت کو دور کرنے کے لئے قرض دیا جائے اور پھر اس سے اصل مال کے ساتھ ساتھ اضافی رقم بھی وصول کرے کیونکہ حرمت ربا کی ادلہ اس مورد کو یقینی طور پر شامل ہیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ادلہ حرمت ربا عمومیت نہیں رکھتی کیونکہ کئی اقسام ربا اس سے خارج ہیں مثلاً میاں بیوی کے درمیان ربا، کفار سے ربا لینا، باپ بیٹے کے درمیان ربا، معدودات میں ربا، مشاہدات میں ربا وغیرہ یہ ربا کی وہ اقسام ہیں جو حرمت ربا سے خارج ہیں۔ جب اتنی اقسام خارج ہیں تو ادلہ حرمت ربا کی عمومیت اور اطلاق مجمل ہو جاتا ہے۔ جب ادلہ مجمل ہو جائیں یعنی ان کے عمومات میں اجمال پایا جائے تو پھر صرف قدر متیقن پر اکتفاء کیا جاتا ہے اور موردِ مشکوک کو وہ عام شامل نہیں ہوتا۔ ربا میں قدر متیقن ربا استہلاکی ہے۔ ربا تولیدی مورد مشکوک ہے لہٰذا عموم ادلہ میں شامل نہیں ہے۔

خلاصہ: صرف ربا استہلاکی حرام ہے۔ یعنی ایسا سود جس سے فقیر اور غریب شخص کا استحصال ہو۔

*****

حوالہ جات

1۔ مولوی حکیم مرزا احمد قاری، مسئلہ سود میں شرعی طریق عمل ص ۱۸

2۔ ،ایضاص ۱۸

3۔ سیستانی، سید علی، توضیح المسائل، ،اردو ترجمہ ص ۴۳۶ و ۴۳۷

4۔ نساء: ۱۶۰، ۱۶۱

5۔ سفر خروج، باب ۲۲، ۲۲، ص ۱۹۵، ۱۹۹

6۔ النحل: ۹۲

7۔ الروم: ۳۹

8۔ شیخ کلینی، الکافی، ج ۵، ص ۱۴۵، تہران، دار الکتب الاسلامیۃ ۱۴۰۷ھ

9۔ العمران: ۱۳۰

10۔ بقرہ: ۲۷۵ تا ۲۷۹

11۔ النساء: ۱۶۰، ۱۶۱

12۔ شیخ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ۔ ج ۴، ص ۳۷۷، باب النوادر، حدیث ۵۷۷۵، قم، جامعۃ المدرسین، ۱۴۰۴ھ

13۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال، ص ۲۸۵، قم، دار الشریف الرضی للنشر، ۱۴۰۶ھ

14۔ شیخ صدوق، الخصال، ص ۵۸۳، قم، جامعہ مدرسین، ۱۳۶۲ شمسی

15۔ شیخ کلینی، الکافی ج ۵، ص ۱۴۷، طبع اسلامیہ، ۱۴۰۷ھ

16۔ ایضا، ج ۵، ص ۱۴۶

17۔ شیخ طوسی، محمد بن حسن، تہذیب الاحکام، ج ۷، ص ۱۱۹، تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، ۱۳۹۰ھ

18۔ امام احمد حنبل۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۱۰۹

19۔ شیخ کلینی، الکافی، ج ۵، ص ۱۹۰

20۔ شیخ طوسی، استبصار، ج ۳ ص ۷۲، کتاب البیوع، باب ۴۴ حدیث ۲ تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۹۰ھ

21۔ بقرہ: ۱۸۸

22۔ مسلم نیشاپوری، صحیح مسلم، ج ۵، ص ۵۰

23۔ شیخ کلینی، الکافی، ج ۵ ص ۱۹۰، شیخ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ۔ ج ۳ ص ۲۷۹، قم، جامعۃ المدرسین، ۱۴۰۴ھ

24۔ شیخ طوسی، محمد بن حسن، تہذیب الاحکام، ج ۱، ص ۸۴، حدیث ۲۱۸، تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، ۱۳۹۰ھ

25۔ امام المالک، کتاب الموطا، ج ۲، ص 672

26۔ آل عمران، 130

27۔ بقرہ: 280

28۔ روم: 29،28

29۔بقرہ:273تا276

30۔ شیخ کلینی، الکافی، ج۵، ص۲۵۵، طبع اسلامیہ، ۱۴۰۷ھ

31۔ شیخ طوسی، محمد بن حسن، تہذیب الاحکام، ج۶، ص۲۰۵، تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، ۱۳۹۰ھ

32۔ شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا۔ ج۲ص۹۴، نشر جہان، تہران، ۱۳۷۸ ھ

33۔ شیخ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ۔ ج۳۔ ص۵۶۷، حدیث نمبر ۴۹۳۷، قم، جامعۃ المدرسین، ۱۴۰۴ھ

34۔ شیخ کلینی، الکافی، ج5، ص313، طبع اسلامیہ، ۱۴۰۷ھ

35۔مائدہ:1

36۔امام بخاری، صحیح بخاری، ج3ص52

محرم الحرام اور یادِ امام حسین علیہ السلام کے تقاضے

سید رمیز الحسن موسوی*
srhm2000@yahoo.com

نور معرفت کا چالیسواں شمارہ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ میں منظر عام پر آرہا ہے اور محرم الحرام انسانی تاریخ کے ایک عظیم واقعہ کی یاد منانے کا مہینہ ہے جو تا قیامت دین اسلام کے انسان ساز اصولوں کی پاسداری کرتا رہے گا۔ اگرچہ اس جانسوز واقعہ کے وقوع کے ساتھ ہی ظلم وستم کے علمبرداروں کی جانب سے اس واقعے کو انسانی اذہان سے محو کرنے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی حرمت واحترام کو مٹانے کی کوشش بھی شروع ہو گئی تھی۔ خواہ اس قسم کی کوشش اُموی اور عباسی خلفا کی طرف سے کی گئی ہو یا عالمی استعمار سے وابستہ سیکولر اور نام نہاد مسلمان حکمرانوں اور گروہوں کی طرف سے، مگر یہ کوشش کسی بھی اسلامی وغیر اسلامی سرزمین پر کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ واقعہ کربلا کی بنیادیں انسانیت کے اصولوں پر استوار ہیں اور جہاں بھی انسانی فطرت بیدار ہے، واقعہ کربلا کی یاد بھی زندہ و پائندہ ہے۔

آج اُموی اور عباسی خلفا باقی نہیں رہے کہ جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کے روضۂ مقدس پر ہل تک چلائے اور ظلم وستم کے ذریعے قلوب مومنین سے عشق امام حسینؑ کی حرارت کو ختم کرنے کی سعی کی۔ لیکن اُن کے نظریاتی پیروکار آج بھی موجود ہیں جو کربلا اور عاشورا کا نام ونشان تک مٹانے کی سعی کر رہے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرا گروہ جو عزائے حسینؑ سے خوف زدہ ہے تو وہ عالمی سامراج اور اس سے وابستہ حکمران ہیں۔ جو اس نتیجہ تک پہنچ چکے ہیں کہ اگر دنیا کے حریت پسندوں تک عاشورائی تعلیمات اور کلچر پہنچ گیا تو پھر دنیا کے کسی حصے میں ان خونخوار حکمرانوں کی جگہ باقی نہیں رہے گی۔ اس وقت عالمی اسکتباری ایجنسیاں ایک طرف اہل سنت مسلمانوں میں سے چند ایمان فروش خطبا اور اہل قلم کو خرید کر واقعہ کربلا کی تحریف اور اس کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں تو دوسری طرف عزاداری امام حسینؑ کو

*۔ ڈائریکٹر نمت، نور الہدیٰ ٹرسٹ، بارہ کہو، اسلام آباد۔

اپنے راستے سے منحرف کرنے کے لئے نام نہاد شیعہ اور دنیا پرست ذاکرین وخطبا کو اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات میں تحریف کرنے کے لئے استعمال کر رہی ہیں۔ لیکن امام حسینؑ اور آپ کے جان نثاروں کی مخلصانہ قربانی کے اثرات روز بروز اپنا معنوی رنگ دکھا رہے ہیں اور دنیا بھر کے پاک فطرت لوگ خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان، اپنی اپنی سرزمینوں پر کربلا اور عاشورا کی یاد منا کر حسینیت کا پرچم بلند کر رہے ہیں۔ آج محرم الحرام میں سرزمین کربلا عاشقوں کے دلوں کا مرکز بن جاتی ہے اور ہر سال اربعین حسینیؑ کی پیادہ روی کے لئے پوری دنیا سے لاکھوں محبان حسینؑ سرزمین نینوا کی جانب چل پڑتے ہیں۔ کربلا کی یہی وہ معنوی تاثیر ہے کہ جس سے عالمی استکباری قوتیں پریشان ہیں چونکہ وہ جان چکی ہیں حسینؑ ابن علیؑ اب فقط شیعوں تک محدود نہیں رہے بلکہ دنیا کا ہر مسلمان وغیر مسلمان حریت پسند "شہید کربلا" کو اپنا معنوی اور حقیقی رہنما سمجھتا ہے اور فرزند بتولؑ کی یہی معنوی رہنمائی پوری دنیا کی مادیت کو معنویت میں تبدیل کرنے کا باعث بن رہی ہے۔ لہٰذا وہ وقت دور نہیں جب حسینی قیام کے اثرات پوری دنیا میں پھیل جائیں گے، جس کے بعد دنیا کا ہر فرعون، ہر مستکبر اور ہر ظالم مردود ہو جائے گا اور توحید کا پرچم پورے عالم میں لہرانے لگے گا۔

اسی طرح حسینی تحریک کی اس عالمگیریت کے نتیجے میں اب "اصیل اسلام محمدیؐ" کے چہرے سے جاہلیت، عصبیت، لسانیت اور قومیت کی گرد صاف ہو رہی ہے، جس کے سہارے صدیوں سے اُموی و عباسی خلفا اور امریکی و برطانوی سامراج سے وابستہ نام نہاد مسلمان حکمران پورے عالم اسلام پر مسلط رہے ہیں۔ کربلا میں عاشورائے حسینی ہو یا اربعین حسینی کے اجتماعات ہوں، یہ اصیل اسلام محمدیؐ کی معرفت کا سبب بن رہے ہیں اور چودہ سو سال سے اسلام کی تحریف کرنے والوں کی حقیقت لوگوں پر کھل رہی ہے۔

مملکت خداداد پاکستان میں ۲۰۱۸ء کے انتخابات کے بعد نئی حکومت نئے عزم و نئے جذبے کے ساتھ برسر اقتدار آچکی ہے جس نے اپنے ابتدائی نعروں سے قوم میں بہت بلند توقعات پیدا کر دی ہیں۔ ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پی ٹی آئی کی حکومت اپنے نعروں کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو جائے جس کے بعد شاید پاکستان کی مظلوم اور سادہ دل قوم کے ستر سالہ زخموں کا مداوا ہو سکے۔ اس قوم پر دنیا پرست اور استعمار پسند حکمرانوں کا ایک بڑا ظلم یہ بھی تھا کہ اسے گزشتہ کئی دہائیوں سے اہل بیت اطہارؑ خصوصاً "امام حسینؑ" سے جدا کرنے کی سعی کی گئی اور عزاداریِ امام حسینؑ کے راستے میں مختلف بہانوں سے رکاوٹیں کھڑی کی جاتی رہیں اور عشق امام حسینؑ

سے سرشار ہزاروں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا۔ حالانکہ برصغیر کی تاریخ گواہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری فقط مسلمانوں کے ایک بڑے مسلک اہل تشیع تک ہی محدود نہیں تھی، بلکہ متحدہ ہندوستان کا ہر مسلک اور مذہب ان انسان ساز مراسم میں حصہ لیتا تھا اور انسانیت کے نام پر امام حسینؑ کی یاد مناتا تھا۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد ایک مخصوص عقیدے کے حامل لوگوں کی "حسین دشمنی" کی وجہ سے عزاداری امام مظلوم کو متنازع بنادیا گیا اور اس سلسلے میں بعض سیاستدانوں اور حکمرانوں نے بھی اپنے اقتدار کی خاطر ملک میں موجود ناصبی پریشر گروپ کی ایما پر عزاداری امام حسینؑ کو محدود کرنے کی سعی لاحاصل کی اور امام عالی مقامؑ اور نواسہ رسولؐ کے عزاداروں کے لئے بے شمار مشکلات پیدا کیں۔ اس کے علاوہ قلم و بیان کے ذریعے بھی واقعات کربلا کی تحریف کرنے اور اصل حقائق چھانے کی تحریک کو قانونی شکل دینے کی سعی گئی جو کسی حد تک کامیاب بھی ہوئی، لیکن حقائق تاریخی ہوں یا سیاسی، اُن پر وقتی طور پر تو پردہ تو ڈالا جاسکتا ہے، لیکن دائمی طور پر اُن کو مٹانا ناممکن ہوتا ہے۔

آج نئے پاکستان کے نعرے اور مادی کرپشن کے خاتمے کا عزم لیکر آنے والی حکومت سے ہماری استدعا ہے کہ وہ فقط مادی کرپشن کو ہی ختم کرنے کی سعی نہ کرے بلکہ نظریاتی، معنوی اور سیاسی کرپشن کرنے والے گروہوں کا بھی محاسبہ کرے کہ جو ہر قسم کی مادی کرپشن کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔ پاکستان کا المیہ فقط مادی میدانوں میں ہی کرپشن نہیں ہے، بلکہ اس وقت قوم کی معنوی، مذہبی اور نظریاتی بنیادیں بھی متزلزل ہیں اور مال دنیا کی خاطر بے شمار معنوی، روحانی اور نظریاتی لٹیرے اس ملک میں مصروف عمل ہیں۔ جو عوام الناس کے مذہبی اور معنوی جذبات سے کھیل رہے ہیں اور انسانوں کی معنوی اور روحانی فطرت سے سوء استفادہ کرتے ہوئے اُن کو اصیل اسلام محمدیؐ سے منحرف کررہے ہیں۔ آج پاکستان کی ہر گلی کوچے میں روحانی عطائی اور فرقہ واریت کے علمبردار اپنی دکانیں سجائے بیٹھے ہیں۔ حکومت فقط جسمانی صحت پر ہی توجہ مرکوز نہ رکھے بلکہ لوگوں کی معنوی اور روحانی اور نظریاتی و عقیدتی صحت میں بگاڑ پیدا کرنے والے عناصر کا بھی سدباب کرے۔

البتہ یہاں اسلام کی حقیقی اور اصیل تعلیمات اور تاریخ کو محفوظ رکھنے اور اس سے درست استفادہ کرنے کے لئے فقط حکومتوں اور سیاستدانوں ہی کی ذمہ داری نہیں بنتی بلکہ اس علمی اور تحقیقی دور میں کہ جب علم و آگہی حاصل کرنے کے تمام راستے کھلے ہوئے ہیں اور ہر آزاد انسان، انسانی علوم کے تمام حقائق تک رسائی حاصل کرسکتا ہے، بصیرت

کے حامل تمام انسانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسلام کی اصیل تعلیمات اور احکام تک رسائی حاصل کریں اور اصیل محمد ی اسلام اور ظالم حکمرانوں، خلفائے جور اور عالمی سامراج سے وابستہ گروہوں کے اسلام میں فرق کریں۔

در حقیقت کربلا اور عاشورا کے واقعات اصیل اسلام محمدیؐ اور اُموی و عباسی اور آج کے سامراج پسند اسلام کے درمیان فرق کو سمجھنے کا وہ معیار ہیں جس پر ہر دور کے ظالموں کو پرکھا جاسکتا ہے۔ جو لوگ غم حسینؑ کے بہانے سے حسینیت سے وابستہ ہو جاتے ہیں، آہستہ آہستہ اسی غم کی برکت سے اُن کی چشم بصیرت وا ہونے لگتی ہے اور اُن کے ضمیر کے دریچے کھلنے لگتے ہیں۔ حسینیت سے وابستگی انسان کو ہر قسم کے انحراف سے محفوظ رکھتی ہے اور وہ نہ فقط ظلم و ستم سے باز رہتا ہے، بلکہ ظالم ستیز بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے ظالم حسینیت کے مخالف ہیں اور غم حسینؑ کی ہر محفل و مجلس کو نابود کرنے کے لئے آمادہ رہتے ہیں۔ لہٰذا حسینیت اور ظلم و ستم ایک دوسرے کی ضد ہیں جن کا ایک جگہ اکٹھا ہونا محال ہے۔

ہماری قوم اگر ظلم و ستم کا خاتمہ چاہتی ہے اور عدل وانصاف کی خواہاں ہے تو اُسے تاریخ کے سب سے بڑے عدل وانصاف کے علمبردار حسین ابن علیؑ کی پیروی کرنی چاہیے اور اُن کی یاد سے اپنے دلوں کو معنویت اور روحانیت بخشنی چاہیے۔ امام حسین علیہ السلام کی یاد میں منعقد ہونے والی مجالس عزاء ایک ایسی درسگاہ ہیں جن میں شرکت کرنے والے زن و مرد اور پیر وجوان حریت پسندی، عدل وانصاف اور حق و باطل میں تشخیص کا ایسا سبق حاصل کر لیتے ہیں جس کے بعد اُن کی سیاسی واجتماعی بصیرت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

لہٰذا پاکستان کے حکمرانوں کو ملک میں عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے حسینی اُصولوں کو معیار بنانا چاہیے اور ایسا اس وقت ممکن ہے جب حکمرانوں اور عوام کے اندر کربلا کے واقعہ میں موجود اعلی انسانی، اخلاقی اور سیاسی اصولوں کی نسبت گہری معرفت و بصیرت پائی جائے۔ لہٰذا کربلا کی یاد منانے کا اہتمام فقط شیعہ مسلک کے پیروکاروں پر نہ چھوڑا جائے بلکہ سرکاری سطح پر کربلا کے واقعہ میں پوشیدہ اعلی اصولوں کو اجاگر کرنے کے لئے کانفرنسز اور مطالعات کا اہتمام ہونا چاہیے۔ یقیناً اس سے پاکستان کو مختلف بحرانوں سے نکالنے میں مدد ملے گی۔ پاکستانی قوم کا سب سے بڑا بحران خود شناسی کا بحران ہے۔ گزشتہ حکمرانوں نے مادی طاقتوں سے وابستگی کی وجہ سے اپنے علاوہ پوری قوم کی خودی اور شناخت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ کیونکہ جس قوم کی شناخت اور ہویت ہی ختم ہو جائے وہ اپنی خودی کھو بیٹھتی ہے۔ یہی وہ خودی تھی جو ایک حقیقی مسلمان کا سب سے بڑا سرمایہ سمجھی جاتی ہے اور جس کا درس شاعر ملت حضرت علامہ اقبالؒ

نے اپنے کلام میں دیا ہے۔ اس خودی اور شناخت کا سب سے بڑا سرچشمہ ''کربلا'' ہے۔ لہٰذا حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی خودی اور قوم کی خودی کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے کربلا شناسی کو ملک میں زندہ کریں تاکہ پاکستانی قوم دنیا کی ہر جابر و مستبد طاقت سے نجات حاصل کرسکے۔

ملک میں ہونے والی ''حسین شناسی'' کی مجالس اور محافل کے لئے راستہ ہموار کرنا پاکستان کے مخلص حکمرانوں کا سب سے بڑا فریضہ ہے اور ایسی مجالس و محافل کو خواہ وہ مسلمانوں کا کوئی بھی مسلک ومذہب منعقد کرتا ہو، انحراف و تحریف سے بچانا ملک کے علمائے دین اور دانشور طبقے کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ اگر یہ مجالس و محافل کربلا شناسی کی درست سمت کی طرف حرکت کرتی ہیں تو پاکستانی قوم کی دین داری بھی محفوظ رہ سکتی ہے اور اجتماعی وسیاسی شعور میں بھی اضافہ ہوسکتا ہے۔ ایسا شعور کہ جس کے بعد کوئی بھی فرد و قوم منحرف نہیں ہوسکتی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دین شناس خطبا، علما اور دانشوروں کی تحریروں اور تقریروں کو اہمیت دیں اور دین فروش اور تفرقہ باز خطباء اور علماء سے دوری اختیار کریں جو اپنی چند روزہ دنیا کی خاطر اپنے علم کی دکان سجائے لوگوں کے عقائد و نظریات کو خراب کرتے ہیں اور اُمت مسلمہ میں نفاق اور انحرافات کا بیج بو کر دین اسلام سے نفرت پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

ماہ محرم میں نشر ہونے والی تمام تقریروں اور تحریروں کو ایسے تمام عیوب سے پاک ہونا چاہیے جو دین اسلام کی تحریف، تاریخ اسلام میں انحراف اور مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ یہ ملک کی وزارت مذہبی اُمور اور وزارت داخلہ اور اطلاعات و نشریات کی ذمہ داری ہے کہ وہ کربلا کی حقیقی تعلیمات میں تحریفات ایجاد کرنے والے ے عناصر پر کڑی نظر رکھیں اور انہیں کربلا کی یاد کے بہانے اور عنوان کے تحت لادینی نظریات پھیلانے سے روکیں۔ نور معرفت کا یہ شمارہ بھی ہمیشہ کی طرح ہر قسم کی مسلکی ومذہبی عناد سے پاک تحریروں پر مشتمل ہے اور قرآن واہل بیت اطہار علیہم السلام کی تعلیمات کی ترجمانی کرنے والے چند مقالات قارئین کی خدمت میں پیش کررہا ہے۔ اس شمارے کی تیاری میں ہمارے ساتھ تعاون کرنے والے تمام اہل قلم کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں اور اسی طرح اس شمارے کو اشاعت کے مرحلے تک پہنچانے والے کارکنوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اجر عظیم کے خواہاں ہیں۔ ہمیشہ کی طرح قارئین سے بھی اس شمارے کے بارے میں مفید اور مثبت آراء کے منتظر ہیں۔

****

حضرت ابوذر غفاریؓ کو رسول اللہ ﷺ کا موعظہ

قال رسول اللہ ﷺ

یا اباذرّ : اُعْبُدِ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ، فَاِنْ کُنْتَ لَا تَرَاہُ فَاِنَّہُ یَرَاکَ وَ اعْلَمْ اَنَّ اَوَّلَ عِبَادَۃِ اللّٰہِ الْمَعْرِفَۃُ بِہِ فَھُوَ الْاَوَّلُ قَبْلَ کُلِّ شَیْءٍ فَلَا شَیْءَ قَبْلَہُ وَ الْفَرْدُ فَلَا ثَانِیَ لَہُ وَ الْبَاقِی لَا اِلٰی غَایَۃٍ ، فَاطِرُ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِیھِمَا وَ مَا بَیْنَھُمَا مِنْ شَیْءٍ وَ ھُوَ اللّٰہُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ، ثُمَّ الْاِیْمَانُ بِیْ وَ الْاِقْرَارُ بِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَرْسَلَنِیْ اِلٰی کَافَّۃِ النَّاسِ بَشِیْراً وَ نَذِیْراً وَ دَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہِ وَ سِرَاجاً مُنِیْراً ، ثُمَّ حُبُّ اَھْلِ بَیْتِی الَّذِیْنَ اَذْھَبَ اللّٰہُ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَ طَھَّرَھُمْ تَطْھِیْراً ۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اے ابوذر ! اللہ تعالی کی ایسی پرستش کرو کہ جیسے اسے دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اسے نہیں بھی دیکھتے ہو، وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اے ابوذر ! جان لو کہ خدائے متعال کی عبادت کا سب سے پہلا مرحلہ اس کی شناخت ہے، بے شک وہ سب سے پہلا ہے اور اس سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے اس کے مانند کوئی نہیں ہے وہ ابدی اور جاوداں ہے، وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان اور ان میں موجود ہے خلق کیا ہے اور خداوند عالم دانا و مہربان ہے، وہ ہر کام کو انجام دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ (دوسرے مرحلہ میں) مجھ پر ایمان لانا اور اس امر کا اعتراف کرنا کہ خدائے متعال نے مجھے بشارت دینے والا، ڈرانے والا، اس کی اجازت سے خدا کی طرف دعوت دینے والا اور تمام انسانوں کے لئے شمعِ ہدایت قرار دیا ہے۔ (تیسرے مرحلہ میں تجھے تاکید کرتا ہوں) میرے اہل بیتؑ کی محبت رکھنا، یہ وہ ہیں جن سے خدائے متعال نے ہر برائی کو دور رکھا ہے اور انہیں اس طرح پاک و پاکیزہ رکھا ہے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

(بحار الانوار جلد ۴، طبع بیروت)

THE CENTRALITYT OF 'WILAYAH' IN SHIA POLITICAL THOUGHT

Raziq Hussain[*]

Key Words: *Wilayah, Wilayat-e Faqih, Taghut, Fiqh*, Shi'ism, Political Theology, Intersubjective Base.

Abstract

Wilayah (*Wilayat* in Urdu and Persian) can be considered as the central tenet in Shia belief system. The concept of *wilayah* has played a major role in the direction, evolution, and development of Shia political thought throughout the history of Shi'ism. It was on the basis of the doctrine of *wilayah* that Shia Muslims have rejected the rule of other-than-imam as illegitimate at the cost of either living in fear or shedding blood. A critical review of the institution of *marja'iyyat* (the center of religious reference) whereby a Shia juristconsult (*mhjtahid/faqih*) assumes, what Abdulaziz Abdulhussein Sochedina has termed, the role of the 'functional imam of the community' (1) shows that the power of a *faqih* lies in that he is bearer of a kind (discussed below) of the *wilayah* of the infallible Imams, albeit in a downward vertical order. Imam Khomeini developed his theory of *wilayat-e faqih* on the very base of the said concept and overthrew the Pahlavi monarchy which resulted in the establishment of the Islamic Republic of Iran (IRI). The central argument of this article, therefore, is that one cannot grasp the nature and essence of Shia political thought without taking into consideration the concept of *wilayah* in Shi'ism.

[*].The author is a PhD. candidate in the discipline of International Relations at the School of Politics and International Relations, Quaid-i-Azam University Islamabad. He can be contacted at: mesum786@yahoo.com

Introduction: A brief historical account of Shi'ism

In order to understand something in a comprehensive way, it is imperative to consider it as 'becoming', rather than 'being', in the historical setting of its development. If we see the concept of *wilayah* as a 'finished ideological/intellectual product' in a specific historical epoch, we cannot understand it properly, coupled with our inability to relate it to other periods. It is in this way that the necessity of having a general understanding of Shi'ism becomes inevitable.

According to Shia historians and religious authorities, Shi'ism emerged with the emergence of Islam itself and it is not, to quote Ayatollah Muhammad Baqir al-Sadr, 'a phenomenon that is incidental to Islamic society'. (2) They argue that it began 'with a reference made for the first time to the partisans of Ali (*Shia-tu Ali*)...during the lifetime of the Prophet himself'.(3) Many great companions of the Prophet (such as Ammar b. Yasir, Miqdad b. Amr, Abu Ayuub al-Ansari, Buraida, Jabir b. Abdullah al-Ansari, Ubbay b. Ka'b, Hudhayfa b. al-Yaman, Sahl b. Hunayf, Uthman b. Hunafy, Abu Dharr b. Jundab, Salman al-Farisi, Khuzayma b. Thabit, Khalid b. Sai'd, Qais b. sa'd b. Ebadah (4), and the members of Bani Hashim) were considered as Shias of Ali. (5) When Abu Bakr assumed, after the demise of the Prophet, the Islamic caliphate by the decision of an elite of the companions, not by the consensus (*ejma*) of the companions, (6)many of the companions of the Prophet (listed above) refused to pledge their allegiance to the

caliph, arguing that Ali was more entitled to rule the Muslim community. It is interesting to note that the supporters of Ali based their claims of Ali's right to rule primarily on 'spiritual and religious considerations', not on political ones. (7) The failure of Ali and his partisan in materializing their claim for authority resulted in, on the one side, the withdrawal of Ali from public life for coming 25 years and, on the other, the loss of 'open and active manifestations' of Shia tendencies. (8)

It was after Imam Ali's assumption of caliphate that the dormant Shia ideas and ideals, revolving around the nucleus of *wilayah*, resurfaced. It is not to claim that all those who gathered around Ali were his sincere supporters and staunch believers of his *wilayah*. His caliphate, nonetheless, provided the Shias with an opportunity to form an intersubjective base of what was a legitimate political rule. It was this intersubjective understanding of what constituted of a 'just rule' that led the Kufans to invite Imam Hussain to come to their city in order to establish his just rule and guide the Muslim community (ummah) to the right path.

The martyrdom of Imam Hussain, the 3rd Shi'I Imam, in 680 AD at Karbala proved to be a watershed in the history of the development of the Shia political thought. The immediate effects of the martyrdom of Imam Hussain was a 'complete revolution in the religious consciousness of the Muslims' that he aimed at.(9) Imam Hussain's martyrdom in his

'struggle for justice and virtue against tyranny and evil', writes Joanna de Groot, 'provided a paradigm of resistance to oppression and wrong conduct, and suffering in a righteous cause.'(10) It taught the Muslims, particularly Shias, that 'in the perpetual war of history every day is Ashura and every place is Karbala',(11) and that the war between the right and wrong and good and evil has just began. The martyrdom of Imam Hussain also resulted in the emergence of a, what this author prefers to call, 'mentality of revenge' among the Shias, symbolized by the slogan of '*ya latha'rat al-hussain* (revenge for the blood of Husain)' first raised by the *Tawwabun* (the penitents). This mentality of revenge was, later, manipulated by Abbasids for their own advantage. After the Martyrdom of Imam Hussain, the succeeding Imams realized that they could never be in power and, thus, concentrated their efforts on safeguarding the ideological frontiers of their Shias. They, even, discouraged their followers from joining in rebellion against the rulers. It is not to say that they accepted the rule of their opponents as legitimate. They always rejected the temporal authority of, first, Umayyads and, then, Abbasids. The Imams, who followed the 3rd Imam, had realized that the hearts of the people were with them but their swords were against them because of the tight grip of the authorities.

The eight Imams, from Ali b. Hussain Zain al-Abideen to Hasan b. Ali al-Hadi, 'lived under', says Afshon Ostovar, 'some sort of house arrest',

that is, they were 'political prisoners to the Sunni regimes' of Umayyad and Abbasid dynasties, respectively.(12) The only path open to the Imams to live their lives was the adoption of *taqiyyah* (cautious dissimulation in religio-ideological matters). The Imams were aware that the ideology of the ruling dynasties was primarily based upon the concept of '*al-muku aqeem* (the authority is barren)' and that if they disclose their views regarding the just rule openly, they and their associates would be killed. The ideal way in such a state of matter, for the imams, was to keep the concept of *wilayah* to themselves and their close companions. In this way, the imam not only ensure their survival, to a certain period, they also keep the concept of *wilayah* alive in the hearts and minds of the shias.

To sum, after the martyrdom of Ali, the 1st Shia Imam, in 661 AD, the political leadership of the *Ummah* went in the hands of Umayyad (661-750 AD) and Abbasside (750-1258 Ad) dynasties, respectively. For the Shias, however, the rightful rulers of the *Ummah* were their Imams and those in power were 'usurpers'. This rejectionist approach of the Shias towards the rule of 'other-than-imam' transformed Shi'ism into, what Hamid Dabashi has called, 'a religion of protest'.(13) The rejectionist approach always kept the Shias in opposition to the authorities which meant they never had favorable conditions to discuss and develop a coherent political theory. This situation did not changed even after the major occultation of the Last Imam; the Mahdi. The

foqaha of the post-Ghibah (941 AD onwards) period also discussed the political ideology of Shi'ism in the lingering effects of *taqiyyah*.

Wilayah: meaning, Significance, and types

The concept of *wilayah* (*Wilayat* in Urdu and Persian) may be described as the center of gravity in Shia belief system. In Shia canonical books (books of tradition), one can find several traditions that explicitly highlight its prominent position in Shia Islam. In *Wasa'il al-Shiah* (pronounce as *Wasa'il-lush-Shia*), Shaikh Hur Amuli has reported Abu Jafar (Imam Muhammad al-Baqir: the 5th Shia Imam) as saying, 'Islam is grounded on five things: on *salah* (formal prayers), on *zakah* (alms tax), on Hajj (pilgrimage to Mecca), on *sawam* (fasting), and on *wilayah*. 'Which among them is higher in position (*afdhal*)?, Zurarah, the narrator, asked the Imam. The Imam said, '*wilayah* reigns supreme because it is the key (*miftah*) for them (the other four things), and the *wali* (lit. bearer of the *wilayah*) is the proof/evidence/indicator (*dalee*l) against them'.(14) In another tradition, Imam al-Baqir has argued for the superiority of *wilayah* as follows, 'God has granted (some) concessions (*rukhsah*) on the four (*Salat, zakah, hajj, sawam*), and He has not granted any concessions in *wilayah*. He who has no money is not obliged to give zakah or perform *hajj*; and he who is sick can offer *salah* sitting and can break fast. As for *wilayah*, it is obligatory for everyone to observe, whether he is healthy or sick, wealthy or impoverished.'(15) Elsewhere, Imam al-Sadiq has described *wilayah*

as 'obedience to Imam',(16) and *wilayah* as '*wilayah* of *Ameer al-Momineen* (the master of believer: Imam Ali) and other imams from his descent'.(17)

What is *wilayah*? In his seminal book *al-Ghadeer*, al-Amini has identified 27 meanings for the word '*mawla*' (18) (the bearer of *wilayat*), which is one of the derivatives of the root word '*waliya*' (*waw lam ya*). Yet, for the Shia Muslims, when the term '*wilayah*' is referred to the Prophet of Islam, the Imams or, by extension, to their deputies (jurisconsults in the age of *ghibah*), it exclusively means 'the right to be incharge/guardian of something or someone (*tawalli al-amr*); the right to exercise authority/sovereignty over something or someone (*tasarruf/istila*), and the right to manage and administer the affairs of the society (*tadbeer*).'(19) '*Wali*' and '*mawla*' are derivatives of *wilayah*, and are synonyms, especially when they are used to refer to someone in authority. When the Shias say '*mawla* Ali' or '*Ali wali-yullah*' (Ali is the *wali* of Allah), they bear in mind what they mean by *wilayah*. The author of *al-Ghadeer*, after analyzing the 27 meanings of the term '*mawla*' in the context of what the Prophet said for Ali in *Ghadeer-e Khum* (*man kuntu mawla-hu fa Ali-yun mawla-hu*; of whomsoever I am *wali*, Ali is his *wali*), concludes as: 'then, *mawla* has only one meaning, and that is *awla bi al-shaiy* (having greater claim on something than it has on itself).(20)

Wilayah is of two kinds: *wilayah al-takwiniyyah* and *wilayah al-tashri'iyyah*. *Wilayat al-takwiniyyah* (lit. natural or ontological guardianship) refers to 'the sovereign will and power of One Supreme Being (God) over the world of creation i.e. sovereignty over the natural order,' (21) or to 'exercising authority over the system of creation and the laws of nature'.(22) According to the Shia theologians, the ontological guardianship, in the first place, belongs exclusively to God, yet He has bestowed (and bestows) a part of it (*martabatun min*) on whomsoever he chose (and choses) among His creators such as angles, prophets, imams, and saints.(23)

Wilayat al-Tashri'iyyah, pertinent to the article in hand, literally means 'legislative guardianship/sovereignty/authority. It is called '*wilayat al-tahri'iyyah or inshaiyyah*' because 'it is conferred through a decree'. God has granted this *wilayah* to prophets and imams (and imams to foqaha) so that 'they govern the human society according to the needs of the times'.(24) When we say that a person has legislative sovereignty, it means that he has 'the legal authority and right' of making laws and decisions (on social issues) and executing them, and the people must 'submit to him and comply with the laws'.(25) Like *wilayat al-takwiniyyah*, this type of *wilayah* also belongs exclusively to God, yet He has delegated it to his messenger and, via him, to imams, and further, via imams, to foqaha ('vertical chain of delegation').

According to the Shia foqaha, when an imam is present, the right to exercise authority over all affairs of the *ummah* (*wilayat al-tashri'iyyah*) belongs only to him. He can, however, delegate a part (or all) of his authority to a specific person to be exercised over a particular matter or a domain, as Imam Ali did in the case of Malik al-Ashtar Nakhaei. In *Nahaj al-Balagha*, there is a letter (called '*Ahad Namah*') the Imam wrote for Malik when the latter was sent to Egypt as its governor. This *Ahad Nama* not only shows how Malik had to govern Egypt, it also 'clearly indicates that Malik al-Ashtar was given all the powers and privileges normally reserved for the head of an independent government'(26)or, more accurately, for the Imam himself. "(o Malik!) you are ruler/sovereign over them (the people) and the wali al-amr (ruler; the Imam himself) is sovereign over you. And God is over the wali al-amr who (the imam) has made you the governor", the letter reads.(27) This letter shows that a fallible (*ghair-e massom*) can be deputy of an imam and is often invoked by the proponents of the theory of *wilayat-e faqih*.

In the age of the occultation (*asr al-ghaibah*), wilayat al-tashri'iyyah, defined as '*haq al-tasarruf wa al-amr*' (28)(the right to exercise authority and to rule), is reserved for the foqaha through the decree of the Imam of the age. In general, this type of wilayah manifests itself in two types of command: *awamir al-mawlawi* (lit. authoritative commands) and *awmir al-irshadi* (lit. guiding commands). *Awamir al-*

mawlawi are those commands that are issued by the *wali/mawla* qua *wali/mawla* and are legally binding. *Awamir al-irshadi* are those commands that a *wali/mawla* issues while conveying the divine injunctions to the people. Here, the obedience to the *wali/mawla* is actually obedience to God as the role of the former is only to deliver what God has ordained. (29) It is incumbent upon every believer to obey both types of the command and to submit to the *wali/mawla*.

During the age of the occultation of the 12th imam, according to the Shia theologians, the foqaha have the right to exercise *wilayat al-tashri'iyyah*, based on the decrees of the Imams (especially of the last imam; *Tawqi Sharif*). The foqaha have based their claim to the 'legal authority' largely on four traditions: Maqbola-tu Umar b. Hanzala, Riwaya-tu Abi Khadijah, the *Tawqi Sharif*,(30)and the Decree of Imam Hasan b. Ali al-Hadi.(31) All of the four traditions have directed the Shias to refer to the foqaha in their religious and social affairs. It is worthy to point out that the institution of the 'deputyship of the imam/s' (*niyabat*) is not the result of the occultation of the 12th Imam. Rather, it was functional in the pre-occultation era as well. The issue of *niyabat*, nevertheless, became more relevant when the 12th Imam went to occultation. 'The termination of the manifest imamate,' writes Abdulaziz Abdulhussein Sachedina, 'gave rise to the institution of the deputyship of the Imam as the only feasible way to preserve the religious-social structure of th3e Imamite community.'(32)

Wilayat-e Faqih

In 1971, during his exile in the Shiite holy city of Najaf (in Iraq), Ayatollah Sayyid Ruhullah al-Mosawi Khomeini (henceforth Imam Khomeini) delivered a series of lectures (13 in number) on the desirability, necessity, and possibility of establishing (an) Islamic government. These lectures were, later, compiled and published in the under the title of *Hokumat-e Islami* (Islamic Government). His major ideas regarding the 'Islamic government', as discussed in the book, can be summarized in the following points:

- Both reason and the sunnah of the Prophet as well as the nature of divine commandments necessitate the establishment of a government to manage human affairs.
- A government can be called Islamic only if it is headed by the Imam or, in the case of his absence, his na'ib (designated-deputy).
- In the age of major occultation (zaman-e ghaybat-e Kubra), the jame al-shara'it fuqaha (the fully qualified jurists) are the general deputies (nawab-e amma, as against the nawab-e Khassa who had direct access to the hidden Imam during the period of 'minor occultation/Ghaybat-e Sughra) of the Imam and, thus, rightful rulers of the community of the believers.
- The Wilayah of foqaha (hence wilayat-e faqih) is the continuation of the wilayah of the Prophet of Islam and the Imams and, hence, enjoy the same scope of authority as of theirs', with the exception in very limited matters.
- The doctrine of wilayat-e faqih, its necessity, and validity is self-evident (badihi).

- Any government, regardless of its type, other than the Islamic government is illegitimate (in his words Taghut).(33)

The concept of the *Wilayat-e Faqih* was not essentially a new phenomenon to the intellectual minds of Iran of the 20th century in the sense that the authoritative status of the *foqahā*, at least in social and legal matters, was already well established. Imam Khomeini brought the authority of the *foqahā* to its 'logical conclusion' by developing the concept more systematically in a political fashion. Basing on his concept of *Wilayat-e Faqih*, he questioned the legitimacy of Pahlavi dynasty to rule Iran which later culminated in the fall of the dynasty and the establishment of IRI.

Imam Khomeini had an 'ideal' (the establishment of an 'Islamic state') and since 'Islam is never contend with the mere exposition of its ideals, but constantly seeks the means to implement them- and power is an essential means towards this end',(34) he emphasized the necessity to seize power as a means to implement divine laws (*qanoon-e Elahi* or sharia). He *constructed* his 'ideal' around two premises: (i) the illegitimacy of monarchy (and by extension any polity other than 'Islamic government'), and (ii) the right of foqaha to rule the Islamic community (*ummah*). By employing, what Nukhet A. Sandal and Jonathan Fox have called, 'political theology' ('the set of ideas that a religious body holds about legitimate political authority'),(35) he

declared the rule of Pahlavi monarchy 'illegitimate' and it, over time, became so because he spoke in his capacity as a faqih.

The doctrine of *wilayat-e fiqh* must be seen in the historical development of Shia 'political jurisprudence' or 'political theology' (*fiqh-e siyasi* or '*fiqh al-dawlat al-islamia*').(36) Shia fiqh-e siyasi falls, at least theoretically, under the general rubric of *imamah*. Ironically, however, it has not been discussed in *fiqh* until after the triumph of the Islamic Revolution in Iran in 1979.(37) The reason for this anomaly was the fact that when the ijtihadi (jurisprudential) 'movement' had begun among the Shias, they were virtually apolitical and, as a result, the focus of *ijtihad* (jurisprudence) was individual life, not society.(38) Later, the establishment of Safavid dynasty in Iran in 1501 and the resultant formalization of Shi'ism as state religion provided foqaha with the freedom to discuss matters pertinent to political theology, but again political theology could not make its place in fiqh, though the scope of fiqh got extended. The fall of Safavid dynasty and the inability of the subsequent dynasties to safeguard both the territorial integrity of Iran and the Islamic spirit of the society brought the matter of political theology, to some extent, in the field of fiqh. The tobacco revolt of 1891-92 and the 'constitutional revolution' of 1905-09 further highlighted the necessity of dealing with fiqh-e siyasi among the jurists.

When Imam Khomeini began his ideological crusading for the establishment of the Islamic government, the Shia community in Iran had already been politicized. The politicized religious mind of Iran made it easy for Imam Khomeini to implant his 'ideal' of the Islamic government in it. By employing both the transmitted/textual (*naqli*, reported in books of tradition) and intellectual (*aqli*, based on logical reasoning) arguments (*adillah*, pl. of *dalil* which literally means evidence/proof/indication, and technically a substantiating source for any belief or ruling) coupled with historical evidences he concluded that the only legitimate government in the absence of the Imam is that of the fully qualified faqaha because they are, according to the traditions/*ahadith*, the 'vicegerent (*khulafa*) of the Prophet', 'trustees of the prophets' (*umana al-rosul*), 'fortresses/citadels of Islam' (*husoon al-Islam*), 'rulers over people' (*hukkam ala al-nas*), and 'inheritors of the prophets' (*warasat al-umbiya*),(39)and 'proof (*hojjah*)' of the last Imam.(40). On the *aqli* side of the construction, he build his arguments primarily on two premise; (i) the inseparability of politics and religion in Islam and (ii) the inevitability of a government to implement the Islamic sharia.

For the Shia Muslims, the 'ideal' government for managing the social affairs is the government of the infallible Imam, as Ayatollah Misbah Yazdi has maintained. And in his absence the 'nearest' to the ideal government is that of the a fully qualified faqih (41) whose legitimacy

to govern is determined by the 'Divine Command' and by the 'decree of the Imam of the Age' (42) (*Sahib al-Zaman*), substantiated by the *tawqi al-sharif* (noble signed decree of the Imam of the Age), that is, a reply from the Imam to the letter of Ishaq b. Yaqub. In the *tawqi*, the Hidden Imam directed (*irjiou*) the Shias in 'occurring events/issues' (*hawadith al-waqiah*) to 'refer to those who transmit our traditions (*rowat-i hadithina*), for they are my proof/argument (*hojjat*) to you, and I am God's proof against them'.(43)

For Ayatollah Yazdi, the phrase '*hawadith al-waqiah*' does not refer to religious laws and issues because it is clear for the Shias whom (religious scholars) to refer in this regard. Rather, it actually refers to the occurring social issues. As for the term '*rowat-i hadithina*', he has asserted that it refers to only those who equipped with the necessary intellectual expertise that enables them to critically examine the authenticity of traditions (*ahadith*), not to someone who just cites or narrates traditions without the knowledge of *elm al-rijal* i.e. the 'science of the men-transmitters in the chain of the transmission of a hadith. The term (*rowat*-i hadithina), ipso facto, refers to the foqaha and ulama and, in turn, corroborates the theory of wilayat-e faqih.(44)

It was on these bases that Imam Khomeini referred to un-Islamic governments as 'taghut'. (45)The dissociation from the *taghut* has a special bearing in Shia political theory as being a pillar of the principle of bara'h/tabarr'a. Shaikh al- Saduq Muhammad ibn-e Babuyah al-

Qummi (d. 992), in his book awsaf al-Shiah (translated in Urdu as Muhib-e Ahl-i Bait Kon?), has reported a tradtion from Imam al-Sadiq who said, 'He who affirm (*iqrar*) six things is the believer (*momin*): inter alia, the dissociation from and repudiation (*bara'ah*) of *tawagheet* (pl. of *taghut*), and the affirmation of the Wilayah (the guardianship and the authority of the Imams)'.(46)

The word '*taghut*' has appeared in the Quran in eight different places (2: 256, 2:257, 4:51, 4:60, 4:76, 5: 60, 16:36, 39:17) in different contexts. In *Mufradat al-Quran*, Raghib Isfahani has defined *taghut* as 'every person who transgresses and everything that is worshiped in in place of God. Magicians, soothsayers/sorceress, transgressor djinn/genies, and everything that diverts from the right path are called *taghut* because of their transgression in disobedience'.(47)

In Chapter 2 (The Cow) of the Quran, *taghut* has been characterized as the one 'who takes them (who disbelieve) out of the light (*noor*) into the darkness (*zulumat*)' (2: 257). According to Allamh Tabatabai, here the words '*noor*' and '*zulumat*' are metaphors for guidance (*hidaya*) and misleading (*idhlal*). (48) If we look at the Islamic sources on *taghut*, we can define it, in general terms, as 'something that diverts human beings from the worship of God and the right path (*sirat al-mustaqeem*)'.

In sum, *wilayah*, on the one hand, and *bara'h min al-tawagheet*, on the other, convinced Imam Khomeini not only to stand against the Pahlavi regime, but also to reject both the eastern and western systems (*na sharqi, na gharbi*). Basing upon the doctrine of *wilayat-e faqih*, he established an Islamic government in Iran which is standard bearer of *wilayah* in the world.

Refrences

1. Abdulaziz Abdulhussein Sochedina, *The Just Ruler* (al-Sultan al-Adil) in Shiite Islam: The

Comprehensive Authority of Jurist in Imamite Jurisprudence, (New York: Oxford University Press, 1988), 118.

2. Ayatullah Sayyid Muhammad Baqir As-Sadr, "The Emergence of Shi'ism and the Shi'ites", trans. Asaad F. Shaker, Al-Islam.org, available at https://www.al-islam.org/printpdf/book/export/html/10533

3. Allamah Sayyed Muhammad Husayn Tabatabai, Shi'ite Islam, Translated and annotated by Seyyed Hossein Nasr (New York: State University of New York Press, 1975), 34. See also, among others, Ayatollah Ja'far Sobhani, Doctrines of Shi'I Islam: A Compendium of Imami Beliefs and Prectices, translated & edited by Reza Shah-Kazemi (London: I.B. Tauris and Co. Ltd., 2001), 97-98.

4. For a brief biography of the above-mentioned companions of the Prophet see, Syed Husain Mohammad Jafri, The Origins and early Development of Shi'a Islam (Karachi: Oxford University Press, 2000), 52-53.

5. Allamah Muhammad Jawad Mughniyah, Shia aur Zalim Hukmaran (Shia and the Unjust Rulers), trans. Reza Hussain Rizwani, 3rd ed. (Tehran: majme Elmi Islami, 2012), 24-25.

6. Dr. Muhammad Hamidullah, Khutabat-e Hameediyah (Bahawalpur: Islamia University Bahawalpur, 1401/1980), 135.

7. Syed Husain Mohammad Jafri, The Origins and early Development of Shi'a Islam, 2.

8. Ibid., 58-59.

9 . Ibid., 202.

10. Jonna de Groot, Religion, Culture and Politics in Iran: From the Qajars to Khomeini (New York: I.B. Tauris and Co., 2007), 172.

11. Dr. Ali Shariati, Margh-e Gulrung (the Red Death), Trans. Muhammad Fazl Haq, 4th ed. (Karachi: Majme Elmi, 2011), 111.

12. Afshon Ostovar, Vanguard of the Imam: Religion, Politics, and Iran's Revolutionary Guards (New York: Oxford University Press, 2016), 25.

13. Hamid Dabashi, "Ta'ziyeh as Theatre of Protest," Theatre Drama Review (198-), vol. 49, no. 4 (Winter 2005): 91-99 (91).

14. Shaikh Muhammad b. al-hasan al-Hur al-Amuli, Wasa'il al-Shiah ila Tahseel-I Masa'il al-Shariah, annotated by Shaikh Abd al-Raheem al-Rabbani al-Shirazi, Vol. i, 5th edition (Beirut: Dar al-Ihya al-Turath al-Arabi, 1403/1983), 7.
15. Ibid., 14.
16. Ibid., 15.
17. Ibid., 16.
18. Al-Shaikh Abd al-hussain Ahmad al-Amini al-Najafi, al-Ghadeer fi al-Kitab wa al-Sunnati wa al-Adab (Ghadeer in Quran, Sunna and literature), vol. i, 3rd edition, (Beirut: Dar al-Kitab al-Arabi, 1387/1967), 362
19. Ayatollah Montazeri, Dirasaton fi Wilayat al-Faqih wa Fiqh al-Dawlat al-Islamia (Treatises on the Guardianship of Jurisconsult and Jurisprudence of the Islamic Government) (Qom: al-Markaz al-Alami li al-Dirasat al-Islamia, 1409 AH/1989) 73-74.
20. al-Amini al-Najafi, al-Ghadeer, 370.
21. Ayatullah Ali Mishkini, "Wilayat al-Faqih: its Meaning and Scope," Trans. Shahryar Sa'adat, al-islam.org, available at https://www.al-islam.org/al-tawhid/vol-3-n-1/wilayat-al-faqih-meaning-scope-ayatullah-ali-mishkini (accessed April 18, 2018).
22. Muhammad Taqi Misbah Yazdi, A Cursory Glance at the Theory of Wilayat al-Faqih, Trans. Mansoor Limba (Tehran: Ahl al-Bayt World Assembly Publishing and Printing Center, 2011), 60.
23. For more details see, Ayatollah Montazeri Dirasaton fi Wilayat al-Faqih, 74-75.
24. Ayatullah Ali Mishkini, "Wilayat al-Faqih".
25. Yazdi, A Cursory Glance at the Theory of Wilayat al-Faqih, 60.
26. Mishkini "Wilayat al-Faqih".
27. Sayyid Radhi, Nahaj al-Balaghah (the Way of Eloquence), Trans. Mufti Jafar Hussain, Letter# 53 (Ahad Nama) (Lahore: Karim Publications, 2008), 328.
28. Montazeri, Dirasaton fi Wilayat al-Faqih, 77.
29. Ibid., 35-36
30. See, al-Hur al-Amuli, Wasa'il al-Shiah, vol. 18, 5th ed. 99-101.
31. See, Abi Mansoor Ahmad b. Ali b. Abi Talib al-Tabresi, al-Ihtijaj, Vol. 2 (Najaf al-Ashraf: Dar al-Noaman, 1386/1966), 263-264.

32.Abdulaziz Abdulhussein Sochedina, The Just Ruler (al-Sultan al-Adil) in Shiite Islam: The Comprehensive Authority of Jurist in Imamite Jurisprudence (New York: Oxford University Press, 1988), 118

33.For more details see, Imam Khomeini, Islamic Government: Governance of the Jurist, trans. Hamid Algar (Tehran: The Institute for Compilation and Publication of Imam Khomeini's Works, 2008).

34.Hamid Enayat, Modern Islamic Political Thought: The Response of the Shii and Sunni Muslims to the Twentieth Century (London: Macmillan Press Ltd., 1982), 2.

35.Nukhet A. Sandal and Jonathan Fox, Religion in International Relations Theory: Interactions and Possibilities (New York: Routledge, 2013), 152.

36.The term 'fiqh al-Dawlat al-Islamia has been borrowed from the title of Ayatollah Montazeri's seminal book (in two volumes) on Wilayat-e faqih, entitled 'Dirasaton fi Wilayat al-Faqih wa Fiqh al-Dawlat al-Islamia.

37.See, for example, Ayatollah Muhammad Asif Muhsini, Taozih al-Masa'il Siyasi (Kabul: Kamesiyun Farhanghi Shura-ye Ulama-ye Shiah Afghanistan, 1432/2011).

38.Ayatullah Sayyid Muhammad Baqir al-Sadr, Introduction to Islamic Political System, trans. M.A Ansari (Karachi: Islamic Seminary Publications, 2004), 45-46.

39.For the complete texts of the ahadith wherein these attributes of fuqaha/ulama have been reported, their references and commentaries on them see, al-Montazeri, Dirasaton fi Wilayat al-Faqih, vol. I, 461-475.

40.al-Amuli, Wasa'il al-Shiah, vol. 18, 5th ed. 101.

41.Ibid., 64.

42.Ibid, 50.

43 Ibid., 101. For a detailed commentary on the 'tawqi al-sharif' see, al-Montazeri, Dirasaton fi Wilayat al-Faqih , vol. 1, 478-482.

44.Ibid., 72-74.

45.Khomeini, Islamic Government, 79.

46.Shaikh Saduq, Muhib-e Ahl-i Bait Kon? (Who is the devotee of the Household of the Prophet?), Trans. Fayyaz Hussain Jafari (Lahore: Idara Minhaj al-Saliheen, nd), 76-77.

47. Imam Ragib Isfahani, Mufradat al-Quran Urdu (Words of the Quran), vol. ii, Trans. Mawlana Muhammad Abdoh Firoozpori (Lahore: Sheikh Sham al-Haq, nd), 631-32.

48. Allamah Sayyid Muhammad Hussain Tabatabai, al-Mizan fi Tafseer al-Quran, Vol. ii, 2nd ed. (Beirut: Muassisa al-Ilmi-lil-Matboaat, 1973), 347.

MAHDISM AS A SYSTEM OF GOVERNMENT

By: ***Dr. Nazr Hafi****

Key Words: *Imam Mahdi, Mahdism, Waiting, Government, Religion, Islam, Upbringing*

Abstract

Human beings are in search of peace which can be find in an ideal government. Human beings in their historical and evolutionary journey have invented, adopted and renounced different systems of governments. They could not, nonetheless, formed a system which can fulfill their desire for peace in the world. The progress in science and technology and the advocacy of democracy have not provided the human race with peace. Rather, humans are marching towards wars and destruction. It is because they have adopted man-made systems at the expense of divinely ordained system. According to the Quran, Islam is to dominate all other religions. We must, therefore, have firm faith in the prophecy of the Quran and must comprehend it as it should be comprehended. In this context, the study of the belief in Mahdism and its dimensions as a system of government is of paramount importance. The hurdles in the way of the domination of Islam will remiane unless Muslim accept the belief in the Mahdi as a system of government.

**.Qom seminary Graduate, Islamic studies scholar at Imam Khomeini School Qom.*

THE BELIEF IN INTERCESSION IN THE QURAN

By: ***Muslim Abbas****

Key words*: Intercession, belief, Quran, Verses of the Quran, polytheism*

Abstract:

The belief in intercession is not something that Muslims have formulated by themselves. It is a belief which has been described by the Quran. Those who have rejected the belief in intercession have actually not paid attention to the verses that substantiate it. One of the major reasons of rejecting the belief in intercession is the misunderstanding of the Islamic terminologies which, in turn, is the result of not referring to the Household of the Prophet in studying Islamic sciences. The central argument of this paper is that the rejection of the belief in intercession is actually questioning the Quran because in the Quran God has explicitly said that some people will intercede on behalf of other with His permission. In this paper, the belief in intercession has been seen in the context of the Quran.

**.Qom seminary Graduate, Islamic studies scholar at Imam Khomeini School Qom.*

THE IMPORTANCE AND MERIT OF ENDOWMENT (WAQF) IN ISLAM

By: ***Syed Rameez-ul-Hasan Mosavi****

Key words: *Endowment, Favor, Charity, Good Deeds, things endowed*

Abstract

In Islam, waqf belongs to the endorsed (imdha'i) rulings as it existed in different nations in different form before the advent of Islam. The word 'waqf' is not in the Quran, yet other words and phrases like amal-e saleh, taleef-e quloob, ehsan etc can be implied meanings of it. Keeping in view the significance and merit of waqf, Islamic jurists have mentioned various issues of it in their books. The first waqf in the history of Islam was done by the Prophet (PBUH) with the gardens of a newly-converted Muslim, named Mukhreeq. The endowments of Imam Ali (AS), Sayyida Fatimah (AS) and other Imams are also recorded in history. The traditions and rulings regarding waqf in books of traditions also show the position of waqf in jurisprudence. In this paper, the importance and merit of waqf has been highlighted in the seerah and words of the Prophet and his household.

**.Director NMT, Noorulhuda Trust (reg) Islamabad.*

USURY (RIBA)
(IN THE LIGHT OF THE QURAN AND TRADITION)

By: ***Syed Muzammil Hussain Naqvi****

Key words: *Usury, Loan, Economics, Increment, Banking Transaction, Prohibition*

Abstract

Usury is called 'riba' in Arabic (sood in Urdu) which literally means 'growth, addition and uplift'. The Issue of Riba is controversial. Riba is of two kinds: Riba al-Fadl and Riba al- Nasee'ah. Riba al-fadhl refers to simultaneous exchange of goods of unequal quantities or qualities.the Islamic jurists have declared this type of riba prohibited with the condition that the goods are exchanged by mikyal (a measurement tool). Riba al-nasee'ah means to lend something with the condition that it will be returned with a predetermined excess. This paper deals with the question that whether the rule of prohibition is inclusive of all types of riba or not. For the author, the rule of prohibition is established in the exchange of those goods that are measured. Those things that are subject to observation and number do not fall in the definition of riba.

**.Professor At Al-Raza Seminary, Bahra Kohu, Islamabad.*

Praise is due to Allah whose worth cannot be described by speakers, whose bounties cannot be counted by calculators and whose claim (to obedience) cannot be satisfied by those who attempt to do so, whom the height of intellectual courage cannot appreciate, and the divings of understanding cannot reach; He for whose description no limit has been laid down, no eulogy exists, no time is ordained and no duration is fixed. He brought forth creation through His Omnipotence, dispersed winds through His Compassion, and made firm the shaking earth with rocks.

The foremost in religion is the acknowledgement of Him, the perfection of acknowledging Him is to testify Him, the perfection of testifying Him is to believe in His Oneness, the perfection of believing in His Oneness is to regard Him Pure, and the perfection of His purity is to deny Him attributes, because every attribute is a proof that it is different from that to which it is attributed and everything to which something is attributed is different from the attribute.

IMAM ALI (A.s)

Praise is due to Allah whose worth cannot be described by speakers, whose bounties cannot be counted by calculators and whose claim (to obedience) cannot be satisfied by those who attempt to do so, whom the height of intellectual courage cannot appreciate, and the divings of understanding cannot reach; He for whose description no limit has been laid down, no eulogy exists, no time is ordained and no duration is fixed. He brought forth creation through His Omnipotence, dispersed winds through His Compassion, and made firm the shaking earth with rocks.

The foremost in religion is the acknowledgement of Him, the perfection of acknowledging Him is to testify Him, the perfection of testifying Him is to believe in His Oneness, the perfection of believing in His Oneness is to regard Him Pure, and the perfection of His purity is to deny Him attributes, because every attribute is a proof that it is different from that to which it is attributed and everything to which something is attributed is different from the attribute.

دنیااور آخرت میں طلب خیرات کی دعا

وَ أَسْأَلُكَ اللّٰهُمّ رَبّنَا بِأَنّ لَكَ الْمُلْكَ، وَ لَكَ الْحَمْدَ، لَا إِلٰهَ إِلّا أَنْتَ، الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ الْحَنّانُ الْمَنّانُ ذُو الْجَلَالِ وَ الْإِكْرَامِ، بَدِيعُ السّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ، مَهْمَا قَسَمْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ خَيْرٍ أَوْ عَافِيَةٍ أَوْ بَرَكَةٍ أَوْ هُدًى أَوْ عَمَلٍ بِطَاعَتِكَ، أَوْ خَيْرٍ تَمُنّ بِهِ عَلَيْهِمْ تَهْدِيهِمْ بِهِ إِلَيْكَ، أَوْ تَرْفَعُ لَهُمْ عِنْدَكَ دَرَجَةً، أَوْ تُعْطِيهِمْ بِهِ خَيْراً مِنْ خَيْرِ الدّنْيَا وَ لْآخِرَةِ أَنْ تُوفّرَ حَظّي وَ نَصِيبِي مِنْهُ۔

یعنی : اے اللہ ! اے ہم سب کے پروردگار ! جبکہ تیرے ہی لیے بادشاہی اور تیرے ہی لیے حمد وستائش ہے اور کوئی معبود نہیں تیرے علاوہ جو بردبار، کریم، مہربانی کرنے والا نعمت بخشنے والا بزرگی وعظمت والا اور زمین آسمان کا پیدا کرنے والا ہے تو میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ جب بھی تو اپنے ایمان والے بندوں میں نیکی یا عافیت یا خیر وبرکت یا اپنی اطاعت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق تقسیم فرمائے یا ایسی بھلائی جس سے تو ان پر احسان کرے اور انہیں اپنی طرف رہنمائی فرمائے یا اپنے ہاں ان کا درجہ بلند کرے یا دنیا وآخرت کی بھلائی میں سے کوئی بھلائی انہیں عطا کرے تو اس میں میرا حصہ ونصیب فراواں کر۔ **(صحیفہ کاملہ، دعانمبر ۴۸)**

Declaration No:7334 *ISSN 2221-1659*

Quarterly Research Journal

NOOR-E-MARFAT

Vol # 9
Issue: 2
April - June
2018
According to
Rajjab - Shiwall
1439

Chief Editor
S.Hasnain Abbas Gardezi

Editor
Dr. Sh. M. Hasnain

EDITORIAL BOARD

- S. Rameez-ul-Hassan Mosvi
- Dr. S. Rashid Abbas
- Dr. Ali Raza Tahir
- Dr. Karam Hussain Wadhoo
- Dr. Roshan Ali
- Dr. Sukaina Hussain

ADVISORY BOARD

- Allama Ali Murtaza Zaidi
- Dr. S. Nisaar Ali Hamdani
- Allama Samar Ali Naqvi
- Dr. Sajid Ali Subhani
- Allama Aqeel Haider Zaidi
- Dr. Muhammad Riaz

Registration

Pakistan: 500 PKR
Middle East: 070 $
USA, Canada, Europe: 150 $

Composing Babar Abbas

Printer Pictorial Press (Islamabad)

QUARTERLY

SOCIAL / RELIGIOUS RESEARCH JOURNAL

NOOR-E-MARFAT

انسان امن وسکون کا متلاشی ہے اور ایک بہترین حکومت ہی اسے یہ سامان فراہم کرسکتی ہے۔ انسان نے اپنے تاریخی وارتقائی سفر میں مختلف نظام ہائے حکومت اپنائے، ترک کئے اور نت نئے نظام ایجاد کئے۔ تاہم آج تک وہ کوئی ایسا نظامِ حکومت وضع نہیں کرسکا جو اس کے خوابوں کی حقیقی تعبیر ہو۔ اس کے برعکس، جیسے جیسے دنیا میں سائنسی وعلمی طور پر ترقی ہورہی ہے اور جمہوریت کے شادیانے بجائے جا رہے ہیں، ویسے ویسے انسان کے مسائل میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور وہ بدامنی اور تباہی وبربادی کی طرف بڑھتا چلا جارہا ہے۔ دوسری طرف جب ہم قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ پیشین گوئی نظر آتی ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو سب ادیان پر غالب کرے؛ اگرچہ مشرک اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ (سورہ توبہ:۳۳) یقیناً یہ الٰہی وعدہ، رسول اکرم ﷺ کے فرزند حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور پر پورا ہوگا۔ لہٰذا امن وسکون کے متلاشی ہر انسان کے لئے عقیدہ مہدویت کا مطالعہ اور بطور نظام حکومت اس عقیدے پر مختلف زاویوں سے تحقیق ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک عقیدہ مہدویت کو بطورِ نظامِ حکومت نہیں اپنایا جائے گا، انسان کا یہ فطری خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔

Ph:051-2231937 www.nmt.org.pk|www.nht.org.pk

DECLARATION NO: 7334 ISSN2221-1659